عطار ہو، رومی ہو، رازی ہو، غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سحر گاہی !!

اِدارۂ اشرفیہ عزیزیہ کا ترجمان

ماهنامه غزالی

رمضان المبارک ۱۴۳۰ھ/ ستمبر ۲۰۰۹ء

RegNo.P476

جلد:هشتم

شماره:1

فہرست

فی شمارہ: -/15 روپے

سالانہ بدل اشتراك: -/180 روپے

ملنے کا پتہ: پوسٹ آفس بکس نمبر 1015، یونیورسٹی کیمپس، پشاور۔

ای-میل: physiologist72@yahoo.com

mahanama_ghazali@yahoo.com <<<

saqipak99@gmail.com

ویب سائٹ: www.iaa.org.pk

ذِکرِ الٰہی (پانچویں قسط)

(حضرت مولانا اشرف صاحب سلیمانیؒ)

ظہورِ آثارِ ذکر یا وسعتِ ذکر:

حقیقتِ ذکر کی اس تشریح سے واضح ہوگیا کہ غایتِ ذکر، دل میں ''یاد و دھیانِ حق'' کا ایسا بسانا ہے کہ علائق غیر، اشتغال قلبی اور مشغولیتِ حق میں دراندازاور حارج نہ ہوسکیں اور خلوت و جلوت، تماشائے جمال کیلئے یکساں ہوجائے۔ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ کا اتنا گہرا تعلق و استحضار سالک کی پوری زندگی پر اثر انداز ہوگا کہ انسان کا ظاہر و باطن اور تمام جسم دل کا تابع ہے۔ دل کی لگن پورے جسم کو اسی راہ پر لگا دیتی ہے جس راستے پر دل گامزن ہوتا ہے خصوصاً عشق و محبت کی تاثیر تو جسم کو بھی دل کے حکم میں لے آتی ہے کسی عرب شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

؎ لیس الفواد محلّ عشقک وحدہٗ
کل الجوارح فی ھواکَ فوادٗ

(یعنی صرف میرا دل ہی تیرے عشق کا مقام نہیں بلکہ سارے اعضاء تیرے عشق میں دل بن چکے ہیں)

اس لئے ذکرِ حقیقی جب قلبِ ذاکر کی وسعتوں پر چھاتا ہے تو اس کی تاثیر اس کی رگ و پے اور ریشے ریشے میں سرایت کر جاتی ہے اور سالک کے تمام اعضاء و جوارح اور ظاہر و باطن کو محبوب حقیقی کے رنگ میں رنگ دیتی ہے۔

؎ آدمی کے ریشے ریشے میں سما جاتا ہے عشق
جیسے شاخِ گل میں ہو بادِ سحر گاہی کا نم

ذکر کے انوار قلب سے نکل کر پورے قالب کو متجلّٰی و نورانی اور عظمت الٰہی سے متاثر اور منقاد بنا کر کلیۃً احکام ربانی کا تابع بنا دیتے ہیں اور ذاکر جملہ اوامر الٰہیہ کا پابند اور تمام معاصی سے مجتنب ہو جاتا ہے۔ ذکر کا کمال یہی ہے کہ ذاکر یاد الٰہی کے دائمی اشتغال و استحضار کے ساتھ ہر حال میں

گناہوں سے بچتا رہے اور احکام ربانی کی پابندی اس کا شعار ہو کہ ذکر کی حقیقتِ شرعی اسی طرح میسر آسکتی ہے ورنہ اطاعتِ ربانی سے گریز اور معاصی کی آلودگی کے ساتھ ذکرِ حقیقی کا تحقق نہیں ہوسکتا۔ جو ذکرِ لسانی یا موہوم ذکرِ قلبی، احکامِ الٰہیہ کی پابندی اور معاصی سے اجتناب نہیں سکھاتا اُسے ناقص اور رسمی ذکر یا قشر (چھلکا) وصورتِ ذکر تو کہا جاسکتا ہے لیکن اس پر ذکر مطلوب وکامل کا اطلاق نہیں کیا جاسکتا۔ حضرت والاؒ کو ایک سالک نے لکھا:

"اسم ذات کا ورد وذکر تو روزانہ ہے مگر کسی خاص کیفیت کا ظہور ہنوز نہیں ہوا ہے عنایت خاص کی ضرورت ہے۔" حضرۃ الشیخ قدس سرہٗ نے عجب حکیمانہ ومحققانہ جواب دیا ہے فرماتے ہیں۔

"ذکر سے کیفیات مقصود نہیں بلکہ اصل شے احکام الٰہی کی کلی اطاعت، حلال وحرام کا خیال، معاملات کی صفائی، اخلاق کی نزاہت، اتباع نبویؐ کا دھیان اور تمام امور میں رضائے الٰہی کی طلب ہے۔ ان امور کی طرف توجہ فرمائیں کہ یہ اصل ہیں، باقی سب فروع وتدابیر۔"

ذکر کے اثر کا ظہور یہی ہے کہ طاعات ومرضیات الٰہی کے اتباع کا ذوق بڑھے اور اللہ تعالیٰ کی یاد ہر حال میں ہو، باقی کیفیات تو آتی جاتی رہتی ہیں اگر روز پلاؤ ملے تو پلاؤ کا مزہ بھول جائے۔

؎ از دستِ ہجرِ یار شکایت نمی کنم
اگر نیست غیبتے ندہد لذّتِ حضور

ترجمہ: دوست کی جدائی کی شکایت نہیں کرتا کیونکہ اگر جدائی (غائب ہونا) نہ ہو تو آمنے سامنے ہونے کی لذت نہیں ہوتی۔

اپنے کام میں تا آخر دم استقامت کیساتھ لگے رہئے یہی بڑی دولت ہے۔

ع تا دمِ آخر دمے فارغ مباش

ترجمہ: آخری دم تک ایک دم بھی فارغ نہیں بیٹھنا چاہئے۔

ایک طالب نے اثراتِ ذکر کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا کہ: ''اب جب بھی فکر کروں اللہ تعالیٰ کی قربت یوں محسوس ہوتی ہے گویا وہ میرے سانس کے ساتھ ہیں۔ لیکن بے کیف و بے چگوں بلکہ مجھ سے میری ذات سے بھی زیادہ قریب معلوم ہوتے ہیں۔ باوجود اس کے اعمال صالحہ میں کوتاہی ہوجاتی ہے۔'' حضرت الشیخ رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا: ''جب انسان اللہ تعالیٰ کو ایسا حاضر وناظر یقین کرتا ہے تو اس سے ضروری اعمال صالحہ کی بجا آوری میں سستی کیوں کر ہوسکتی ہے؟ وہ جب یقین کرے کہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ ہم کو دیکھ رہے ہیں اور ہم سے ایسے قریب ہیں تو اس کو شرمندہ ہونا چاہیے کہ اس حالت اور اس عنایت کے باوجود اعمال صالحہ میں کوتاہی کیوں ہوا۔ گر پھر بھی حالت نہ بدلے تو موت کو پیش نظر رکھنا چاہیے اور یہ سوچنا چاہیے کہ ایک دن خدا کے سامنے حاضر ہونا اور ایک ایک بات کا جواب دینا ہے اس وقت بندہ اس کوتاہی کا کیا جواب دے گا اور پھر دنیا کی دولت وثروت جس کی محبت میں انسان گرفتار ہے کیا کام آئے گی اس وقت صرف اعمال صالحہ کام دیں گے اس سے خدا کا خوف پیدا ہوگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔''

یہ تحریر یوں تو ہر ذاکر کیلئے مفید ہے لیکن اُن ''متصوفین'' کی خاص توجہ کے لائق ہے۔ جو موہوم ذکر قلبی (جسے وہ اپنی اصطلاح میں قلب کا جاری ہونا کہتے ہیں) کے زعمِ باطل میں فرائض الٰہیہ تک سے غفلت برت جاتے ہیں اور پھر گمان کرتے ہیں کہ ''ہمیں اب ان اعمال کی کیا ضرورت ہے۔ ہمیں تو ہر وقت قرب ووصل نصیب ہے۔'' یاد رکھنا چاہیے کہ ذکر وہی مطلوب ومقصود ہے جو ہمیں ہر حال میں احکام الٰہیہ کا کامل پابند بنادے اور گناہوں سے کلیۃً بچادے۔ بلکہ فقیر سمجھتا ہے کہ ''ذکر شرعی'' وہی ہے جو شریعت مطہرہ کی ظاہری وباطنی پابندی کے ساتھ مقترن ہو ورنہ رسمِ ذکر ہے حقیقت ذکر کا تحقق نہیں اور نہ ایسا ذکر غایتاً ماموروممقصود ہے۔

ذکرِ رسمی استحضار صفات سے ذکر حقیقی بن سکتا ھے:

اس لئے اگر نام نہاد ذکر وقربت کا واہمہ (نفسانی فریب اور شیطانی دجل سے) ہمیں احکام الٰہیہ کا پابند نہ ہونے دے ہمیں احکام الٰہیہ کا پابند نہ ہونے دے تو اس کا علاج مذکور کی صفات جلالی کا

استحضار اور احکم الحاکمین مالک یوم الدین کی پیشی کا اعمالِ قلب سے دھیان ہے کہ خشیت ربانی پیدا ہو جو ہمیں حقیقت ذکر سے ہمکنار اوامر کا پابند اور گناہوں سے روک سکے چونکہ بعض اوقات عظمت الٰہیہ اور صفاتِ ربانی سے معرّا ذکر کی کثرت سے بھی مطلوب نتائج مرتب نہیں ہوتے اس لئے مذکور کی صفات کا دھیان و استحضار حقیقتِ ذکر میں شامل ہے کہ جلالی صفات کا لازمہ عظمت وخشیتِ رحمانی اور جمالی صفات کا نتیجہ حبّ واشتیاقِ ربانی ہے جس سے رغبت ورہبت پیدا ہوتی ہے جو اعمال صالحہ کے شوق اور گناہوں سے نفرت پر منتج ہوتی ہے اس طرح ذاکر ''ذکر کامل'' سے بہرہ مند ہو کر قلباً ذات حق میں شاغل اور قالباً اعمال صالح واحکام الٰہی کی فرمانبرداری میں مشغول ہو جاتا ہے اور ذکر مطلوب کا ثمرہ میسر آجاتا ہے پس ذاکر کیلئے ضروری ہے کہ ذکر صفات الٰہی کے دھیان اور عظمت ربانی کے استحضار کے ساتھ کرے تا کہ حقیقت ذکر سے ہمکنار ہو سکے۔ ہمارے حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''اللہ تعالیٰ اس ذات کا نام ہے جو تمام صفاتِ حسنہ کی جامع ہے۔ ''اللہ'' کہتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا دھیان اس کی تمام صفات حسنہ کے ساتھ ہونا چاہیے، غالباً مولانا روم نے مثال کے طور پر بتایا ہے کہ جس طرح سو کے عدد میں ایک دو تین کے عدد شامل ہوتے ہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ کی ذات میں تمام صفات حسنیٰ جمع ہیں جب انسان ''اللہ'' کہے تو یقین ہو کہ **لا خالق الا اللّٰہ، لا مالک الا اللّٰہ، لا قادر الا اللّٰہ، لا ربَّ الا اللّٰہ، لا بصیر الا اللّٰہ، لا رازق الا اللّٰہ، لا معطی الا اللّٰہ، لا مانع الا اللّٰہ، لا نافع الا اللّٰہ، لا ضار الا اللّٰہ.** اللہ تبارک وتعالیٰ کے سوا ہر چیز سے ان جملہ صفات کی نفی ہو اور اللہ تعالیٰ ہی میں تمام صفات کو سمجھا جائے۔'' جب جملہ صفات کے استحضار کے ساتھ ذکر کیا جائے گا تو تقاضائے صفات یعنی احکام الٰہیہ، عبدیت وعبودیت اور اس کے لوازم، حساب وکتاب حشر نشر، دوزخ وجنت، ترغیبات وترہیبات، جزاوسزا، مغفرت وعذاب، جزاءِ اعمال ایک ایک چیز مستحضر ہو جائے گی اور یہ ذکر حب ربانی وخشیت الٰہی کے دوگونہ جذبات پیدا کر کے ہر وقت ذاکر کو عنایات الٰہیہ کا راجی ومتمنی اور اپنے اعمال کی پاداش سے

خائف وترساں رکھے گا اسکی زندگی کے ظاہر و باطن میں ماموربہ انقلاب آئے گا۔اب وہ ہر قدم حکمِ الٰہی کو دیکھ کر رضاء ورحمت ربانی کی طلب میں اپنے عجز وکمزوری کوتاہی و نارسائی پر نظر رکھتے ہوئے رغبۃً ورہبۃً شریعت مطہرہ اور سنت نبویہؐ کے مطابق اٹھائے گا۔اس طرح اسکی ''زندگی'' ذکر کا محل بن جائیگی وہ خالق ہی کا ہوکر رہ جائے گا کہ جو سب کچھ رب العلمین میں ہی دیکھتا ہے اور جس پر ''اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ'' کی حقیقت کھل جاتی ہے اس کی زندگی اِنَّ صَلٰوتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کا حقیقی مظہر بن جائیگی۔وہ ہر ایک سے بے نیاز ہوکر ایک کا نیازمند اسی کا طالب اسی سے لینے والا بن جاتا ہے۔وہ ''الحمد'' یعنی جملہ حمد وصفات کو جب ''اللہ'' ہی کیلئے وجداناً وایقاناً خاص سمجھنے لگتا ہے تو '' العلمین '' کی بے نوائی وفقر اس پر کھل جاتا ہے اور وہ اسی کے در کا فقیر بن کر '' رَبِّ اِنِّیْ لِمَا اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ '' اس کا حال بن جاتا ہے۔اپنی جملہ حاجتوں کو اس کی ذات سے متعلق کردیتا ہے اور عبدیت وعبودیت، عجز و درماندگی، حاجت و ضرورت اس کی جملہ عبادات ومعاملات نماز وقربانی، زندگی وموت کو صرف اللہ تعالیٰ کیلئے کردیتی ہے اور وہ اپنی زندگی کے ہر ہر فکر وعمل، قول وفعل اور حرکت وسکون سے '' مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَ '' کا منظر پیش کرتا ہے۔تفویضِ کامل وتوکلِ تام اس کا مقام بن جاتا ہے اور تجرید وتفرید کے اس مقام پر فائز ہوجاتا ہے۔جہاں اللہ تعالیٰ کی تجلیات اور اس کی صفات وشئون کی نیرنگیوں کے سوا کچھ نہیں دکھائی دیتا۔'' مخلوق وکائنات '' کے جملہ احوال وامور میں تصرفات الٰہیہ ہر آن کالعین مشاہد ہوتے ہیں اور قلب ہر غیر سے پاک وفارغ ہوکر معرفتِ ربّانی سے پرنور اور حبِّ رحمانی وخشیتِ الٰہی سے معمور ہوجاتا ہے اور اس کی زندگی کا مشغلہ طلب رضائے دوست، پابندی احکام محبوب، اطاعتِ حق اور اتباع نبوی بن جاتا ہے اور تسلیم ورضا، باہمہ بے ہمہ، اس کا حال ہوجاتا ہے حقیقت ایمانیہ۔اس کے جذرِ قلب میں راسخ ہوکر طاعت واعمالِ ایمانیہ کو اس کیلئے محبوب اور کفر اور اعمال کفریہ فسوق و عصیان کو مبغوض وناپسندیدہ بنادیتی ہے۔حضرت سیدی نوراللہ مرقدہٗ کا ارشاد ہے:

”ہر حالت میں اور ہر وقت اپنی خواہشات کو روک کر اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق عمل کرنا اپنا ریاض ہے یہی اصلی مقصد اور یہی تصوف ہے۔“

حضرت سیدی الشیخ نور اللہ مرقدہٗ کے ان ارشادات سے ”ذکر کے اثرات“ کی وسعت و حقیقت کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ مدعا یہ ہے کہ ” ذکر “ صرف ایک ” نصابِ اذکار و اوراد “ کے رسمی طور پر پورا کر دینے کا نام نہیں بلکہ ” ذکر “ اپنی وسعت میں پوری زندگی پر محیط ہے۔

(جاری ہے)

☆☆☆☆☆☆☆

اطلاع

آئندہ ماہانہ اجتماع ۲۴ اکتوبر بروز ہفتہ کو بعد نماز مغرب خیر آباد کے نزدیک علاقہ نظام پور کے ایک گاؤں امان پور کی جامعہ مسجد فاروقِ اعظمؓ میں منعقد ہوگا۔ شرکت کے خواہشمند ساتھی ہفتہ کے دن ظہر کی نماز مدینہ مسجد پشاور یونیورسٹی پہنچائیں یا خیر آباد کے پل کے پاس نظام پور روڈ پر کھڑے ہو کر گاڑیوں کا انتظار کریں۔ ظہر کے بعد روانگی ہوگی۔ براہ راست پہنچنے والے ساتھی خود ہی اُدھر پہنچ جائیں۔

☆☆☆☆☆☆☆

”وسوسے ایمان کے منافی نہیں اور اُن پر مواخذہ بھی نہیں“

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے میری اُمت سے دل کے برے خیالات اور وسوسوں کو معاف کر دیا ہے اُن پر کوئی مواخذہ نہ ہوگا، جب تک اُن پر عمل نہ ہو اور زبان سے نہ کہا جائے۔

اصلاحی مجلس (آخری قسط)

(ڈاکٹر فدا محمد دامت برکاتہٗ)

چلیں ایک لطیفہ آپ کو سُنا دیں۔ تبلیغ ہم کرتے تھے تو شروع شروع میں جب میں خیبر میڈیکل کالج میں آیا تو اُس زمانے میں تھری پیس سوٹ کا، ٹائی کا بہت رواج تھا۔ جو آدمی سوٹ نہیں پہنتا تھا وہ Depression میں چلا جاتا تھا۔ مجھے ڈِپریشن ہونے لگا تو بجائے سائیکاٹرسٹ کے پاس جانے کے میں نے پوچھا کہ اس کا حل کیا ہے؟ تو کہا کہ اس ماحول میں رہتے ہوئے ٹائی اور سوٹ پہننا پڑے گا۔ خیر اُس زمانے میں سو (۱۰۰) روپے کا کپڑا آتا تھا جاپانی تھری پیس سوٹ کا۔ ساڑے تین گز اور سو (۱۰۰) روپے اُس وقت کا نامی گرامی ٹیلر نظام شہر والا اس کی سلائی لیتا تھا۔ اور صدر والا ایک سو بیس (۱۲۰) روپے لیتا تھا کیونکہ صدر کا معیار ذرا اُونچا تھا۔ دو سو روپے کا سوٹ بنایا جی اس زمانے میں سونا تقریباً تین سو روپے تولہ ہوتا ہوگا۔ کالج میں پہن کے جا رہا ہوں تو سامنے سے ایک تبلیغی بزرگ آ رہے ہیں۔ اُس نے جو دیکھا تو بہت خفا ہوئے اور کہا کہ یہ تُو نے کیا کیا ہے۔ اور بہت ڈانٹ ڈپٹ سنائی اور اتنا بُرا بھلا کہا کہ میرا دل اُن سے کالا ہو گیا۔ ذرا آگے گیا تو ایک دوسرا دوست ملا۔ وہ پہلا دوست میڈیکل کا تھا اور یہ انجینیئر نگ کا تھا۔ اس نے جو دیکھا تھا تو کہا کہ ماشاءاللہ! ماشاءاللہ! کیا سٹائلیں ہیں جی۔ اس نے بڑی تعریفیں کیں، ہمارا بڑا دل اس سے لگ گیا۔ میں نے کہا دیکھیں یہ بھی تبلیغی ہیں وہ بھی تبلیغی ہیں۔ خیر اس چیز کو ہم نے عملی طور پر محسوس کیا۔ بعد میں جب ہم نے باقاعدہ تبلیغ کا کام شروع کیا تو جو طالب علم تھری پیس سوٹ پہن کر آتا تھا، تو میں اسے کہتا تھا کہ واہ جی کیا زبردست کریز ہے، کیا زبر دست فال ہے اور یہ سلائی (Stitching) کہاں سے کروائی ہے۔ تو وہ شروع ہو جاتا تھا کہ فلاں سے کروائی ہے اور فلاں سے کروائی ہے۔ میں اس سے کہتا کہ آپ اتنے اچھے لگ رہے ہیں کہ میں اگر لڑکی ہوتی تو آپ سے ہی شادی کر لیتی۔ سُبحان اللہ۔ تو بات یہ کر رہا تھا کہ درزی پہلے کاٹتا ہے پھر گانٹھتا

ہے۔پروفیسر صاحب سوچ رہا تھا کہ میں نے زبردست کٹ ماری تھی لیکن اس نے Blocking کرکے بال واپس میری کورٹ میں پھینک دیا۔اس پروفیسر صاحب کو جب اللہ نے آخر میں پکڑا تو اس کی نظر چلی گئی۔ پھراس نے اللہ اللہ کہنا شروع کیا۔اب بہتر ہوگئی ہے۔سارے کہ سارے اس کے دعوے ختم ہوئے، ہمارے ڈاکٹر صاحب کہتے تھے کہ اب ذرا چوں کرے ناں۔انسان فانی ہے لیکن چھلانگیں لگا رہا ہوتا ہے، دوڑ رہا ہوتا ہے اور اتنا سخت کروفر کررہا ہوتا ہے کہ توبہ۔اور جب اللہ کا امر آتا ہے تو بس پھر سب کچھ ختم ہوجاتا ہے۔سُبحان اللہ۔خیر عرض یہ کرنی تھی کہ وسائل مسائل کی بنیاد نہیں ہیں۔اور وسائل مسائل کا حل نہیں ہیں کیونکہ انسان استعمال ہورہا ہے اِرادے کے تحت اور اِرادہ قلب سے اُٹھتا ہے۔اور قلب میں کیا ہے؟ قلب میں دُنیا ہے،قلب میں فساد ہے،قلب میں گندگی ہے،قلب میں یہ چیزیں ہیں جن کی وجہ سے یہ انسانوں کی زندگی کو بگاڑتا ہے، انسانوں کو تکلیف دیتا ہے۔اور اس کا خیال ہوتا ہے میں تو کامیاب جارہا ہوں۔اللہ تعالیٰ کا ایک قانون ہے، وہ مہلت دیتا ہے انسان کو اور اس کے بعد پکڑ آتی ہے۔

فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ ط حَتّٰۤى اِذَا فَرِحُوْا بِمَاۤ اُوْتُوْۤا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ o (انعام:۴۴)

ترجمہ: پھر جب وہ لوگ اُن چیزوں کو بھولے رہے جن کی اُن کو (پیغمبروں کی طرف سے) نصیحت کی جاتی تھی (یعنی ایمان واطاعت) تو ہم نے اُن پر (عیش وعشرت کی) چیزوں کے دروازے کھول دیئے یہاں تک کہ جب وہ خوش ہوئے اُن چیزوں پر جو اُن کو دی گئیں تو پکڑ لیا ہم نے اُن کو دفعۃً (اچانک) پس اُس وقت وہ رہ گئے نا اُمید۔ (معارف القرآن)

اُنہوں نے ہم کو بھلایا اور ہماری تعلیمات کو بھلایا تو ہم نے اُن پر چیزوں کے دروازے کھول دیئے۔ یہاں تک کہ وہ پھولے نہ سمائے اُن باتوں پر جو اُن کو حاصل ہوئی تھیں۔کہ مزے تو ہم کررہے ہیں،ساری چیزیں مل گئی ہیں۔یہاں تک کہ پکڑا ہم نے ان کو اور اس پکڑ سے ان کی ہوئی

سِٹی گم یعنی ان کی مت ماری گئی (ہوش وحواس کام کرنا چھوڑ گئے)، اتنا پریشان ہوئے توبہ۔

قلب کی اصلاح اللہ کے تعلق سے ہوتی ہے۔ یہ ذکر، اذکار، تلاوت یہ سب مشاغل ہیں۔ قلب کی اصلاح ان سے ہوتی ہے۔ قلب کی اصلاح آخرت کی فکر سے ہوتی ہے۔ لہذا ہمارے سلسلے میں اصلاح کے طریقے میں ایک ذکر ہے ایک فکر ہے۔ ذکر میں اللہ کے ناموں کو اللہ کے دھیان کے ساتھ پڑھنا ہوتا ہے اور فکر میں سلسلے کی کتابوں کو پڑھنا ہوتا ہے۔ مراقبے میں ہم صوفیہ کے روایتی مراقبوں کی جگہ کاملین اہلِ حق کی کتابیں پڑھواتے ہیں۔ وہ مراقبے بھی ٹھیک ہیں، ہم یہ نہیں کہتے کہ وہ فضول ہیں۔ آہستہ آہستہ کوشش کرتے رہیں گے تو اللہ فضل فرما دیں گے۔

جو لوگ کام کرتے ہیں، انکے ذہن میں سوال آتا ہے۔ جب وہ سوال پوچھتے ہیں تو اللہ ان کی مدد فرماتے ہیں۔ اور جو سوال ہی نہیں کرتے، اس کا مطلب ہے کہ وہ کام ہی نہیں کر رہے ہیں۔ ایک لڑکی کی شادی ہوئی تو اس کی ماں نے اسے کہا کہ تم بولو گی نہیں۔ اُس کی ساس نے بہت زور لگایا کہ کسی طرح یہ بولے لیکن وہ بولتی نہیں تھی۔ آخر ایک دِن اس کی ساس نے اسے بلا کر بولنے کو کہا۔ وہ لڑکی جب بولی تو اس نے ساس سے کہا کہ اماں! اگر میرا خاوند مر گیا تو کیا آپ مجھے دوسری شادی کی اجازت دیں گی۔ اس کی ساس نے جب یہ بات سنی تو اس نے کہا کہ بیٹی تُو خاموش ہی بھلی تھی۔

پہلے ہمارے ڈاکٹروں کی تربیت (Training) یورپ میں ہوتی تھی۔ اس لئے وہ اس معاشرے کے اقدار کے مطابق تربیت یافتہ ہوتے تھے۔ ایک سائیکاٹرسٹ تربیت مکمل کر کے آئے تو وہ اپنے مریضوں سے کہتے کہ ٹیلی ویژن دیکھا کرو، لڑکیوں سے دوستی کرو، اُن سے گپ شپ لگاؤ اور اپنی زندگی میں charm اور attraction (کشش) کرو۔ تو ہمارے سلسلے کے لوگ جو اُس سے علاج کرا رہے تھے، انہوں نے ڈاکٹر صاحب کی ان ہدایات کو رپورٹ کیا تو ہمیں اندازہ ہوا کہ یہ آدمی تو دین کو اچھا خاصا نقصان پہنچا رہا ہے۔ ہم نے اُس ڈاکٹر صاحب کو پیغام بھیجا کہ آپ کو یہ نہیں کرنا چاہئے کیونکہ یہ باتیں ہماری ثقافت (culture) اور روایات کے خلاف ہیں اور یہ

ہمارے لوگوں میں بجائے Stress اور tension کو کم کرنے کے اور زیادہ کریں گی۔ آدمی سمجھدار تھا وہ ہماری بات کو سمجھ گیا۔ اور چونکہ اپنے مضمون کا بھی ماہر تھا تو اُس نے غور و فکر کیا اور پھر دیندار لوگوں سے کہتا کہ آپ مولانا اشرف صاحبؒ (اُس وقت وہ حیات تھے) کی مجلس میں جایا کریں۔ اس کے علاوہ ایسے مریض اُس کے پاس جاتے تو اُن سے پوچھتا کہ آپ ہفتہ بھر کہاں رہے، کس کا بیان سنا، جماعت میں گئے تھے تو وہاں کیا حالات رہے وغیرہ۔ حضرت مولانا صاحبؒ کی وفات کے بعد وہ مریضوں سے کہتا کہ ڈاکٹر فدا کی مجلس میں جایا کرو۔ ایک صاحب نے اُن کے کہنے پر آنا جانا شروع کیا۔ چھ مہینے بعد اُس نے جا کر ڈاکٹر صاحب سے کہا کہ آدھا میں آپ کی دوائی سے ٹھیک ہوا ہوں اور آدھا ڈاکٹر فدا صاحب کی مجلس سے ٹھیک ہوا ہوں۔ مجھے اُس نے بتایا تو میں نے پوچھا کہ مجھے بھی بتاؤ کہ ہماری مجلس سے آپ کو کیا فائدہ ہوا؟ اُس نے بتایا کہ میں چند غلط فہمیوں میں مبتلا تھا اور مجلس میں جب اسلامی تعلیمات میرے سامنے آئیں تو وہ غلط فہمیاں دور ہو گئیں۔ اور جب میں درست سوچ اور approach کے ساتھ معاشرے میں چلا تو میری تکلیف ختم ہوگئی۔

ایک دفعہ اُس نے میری جمعہ کی تقریر سنی تو اُس کی تکلیف زیادہ ہو گئی۔ وہ اپنے سائیکاٹرسٹ کے پاس گیا اور اُس نے علاج تجویز کر دیا۔ سائیکاٹرسٹ کو تو اُس نے نہیں بتایا مگر مجھے بتایا کہ مجھے تکلیف آپ کے جمعہ کی تقریر سے ہوئی تھی۔ میں نے غور کیا تو مجھے اُس کی وجہ سمجھ آ گئی۔ میں نے اُس سے کہا برخوردار! اس طرح تھا کہ جمعہ کی تقریر میں مجھ سے ایک غلطی ہوگئی تھی۔ مجھ سے اسلوبِ قرآنی کے مطابق بیان نہ کرنے کی کوتاہی ہوگئی تھی۔ قرآنِ پاک میں جہاں جہنم کا تذکرہ کیا گیا ہے تو اُس کے ساتھ فوراً جنت کا تذکرہ کیا گیا ہے تاکہ بیان کو تکلیف دہ حالت (stressful condition) میں نہ چھوڑا جائے کیونکہ اُس سے طبیعت پر بوجھ آتا ہے اور کمزور اعصاب والے آدمی کو ذہنی تکلیف ہونے کا خطرہ ہوتا ہے۔ اُس جمعے کا بیان میں نے جہنم کے تذکرے پر ختم کر

دیا تھا اور جنت کا تذکرہ نہیں کیا تھا جو کہ نہیں ہونا چاہئے تھا تو اُس وجہ سے آپ کو تکلیف ہوگئی اُس نے کہا ہاں شاید یہی وجہ تھی۔ اللہ کی شان کہ اس آدمی کو اللہ نے بی ایس سی، پھر ایم ایس سی اور پھر پی ایچ ڈی کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہمارا مسئلہ ایک دن میں حل ہو جائے۔ میں اُن سے کہتا ہوں کہ آپ نے چالیس پچاس سال میں ایک چیز حاصل کی ہوئی ہے (You have earned a thing in forty fifty years.) تو اس کو میں کیسے پچاس منٹوں میں آپ سے دور کر سکتا ہوں۔ آپ اگر ہمارے پاس پچاس سال نہیں گزار سکتے تو کم از کم پچاس دن تو آئیں پھر آپ کو فائدہ ہوگا انشاءاللہ!

حضرت جی مولانا یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس دہلی کے کسی کالج یا علی گڑھ یونیورسٹی کا کوئی پروفیسر آیا اور کہا حضرت صاحب میرے اسلام پر ایک سو بیس اعتراضات ہیں آپ مجھے اُن کا جواب دیں۔ حضرت جیؒ نے فرمایا کہ اس کا جواب یہ ہے کہ آپ چار مہینے لگا لیں۔ اُس نے کہا یہ میں نہیں کر سکتا۔ حضرت جیؒ نے فرمایا کہ آپ چالیس دن لگا لیں۔ اُس نے کہا میں یہ بھی نہیں کر سکتا۔ حضرت جیؒ نے فرمایا کہ پھر آپ چالیس شب جمعہ کو ہمارا بیان سننے کو آجایا کریں۔ اُس نے کہا ٹھیک ہے یہ میں کرلوں گا۔ اُس نے چالیس شب جمعہ گزارے تو حضرت جیؒ نے پوچھا کہ آپ کے سوالوں کا کیا ہوا؟ اُس نے کہا حضرت سو کا جواب ہوگیا ہے اور باقی بیس کا جواب اب میں ضروری نہیں سمجھتا۔ حضرت جیؒ نے فرمایا کہ پہلے تو آپ دانشور بنے ہوئے بیٹھے تھے کسی کو سنا تو آپ نے تھا نہیں۔

ہمارے حضرت مولانا صاحبؒ کے پاس پی ایچ ڈی پروفیسر صاحبان آتے تھے تو ایک مہینہ تک اُن کو بلواتے تھے۔ فرماتے تھے کہ ایک مہینہ میں، میں اُن کو خالی کرتا ہوں۔ خالی ہو کر جب وہ سننا شروع کرتے تھے تو اُن کو اندازہ ہو جاتا تھا کہ میں تو کوڑا کرکٹ بول رہا تھا اور یہ آدمی تو

علم ودانش بول رہا ہے۔اور میں نے اس کا بھی ایک مہینہ ضائع کیا ہے اور اپنا بھی۔

علامہ اقبال مرحوم نے جب Reconstruction of religious thoughts in Islam لکھی تو اُس میں اُن کو مسئلہ اجتہاد کے بارے میں غلط فہمی ہوئی ہے۔مسئلہ اجتہاد میں بڑے بڑے دانشوروں سے خطا ہو جاتی ہے کیونکہ اس میں ایک نکتہ ہے۔ایک دفعہ ایک سینیٹر کو خیبر میڈیکل کالج میں تقریر کے لئے بلایا گیا تھا۔وہ ایک دینی سیاسی پارٹی کا بڑا دانشور بھی تھا۔اس سے اجتہاد پر سوال ہوا۔اُس نے جواب دیا لیکن ڈاکٹر صاحبان مطمئن نہ ہوئے اور سینیٹر صاحب کو خوب تنگ کیا۔جب وہ چلا گیا تو میں ڈاکٹر صاحبان سے کہا کہ اس میں ایک نکتہ کی بات تھی اگر وہ سینیٹر صاحب کو معلوم ہوتی تو جواب دے سکتا۔تو خیر وہ مہمان تھا اُس کی جگہ میں جواب دے نہیں سکتا تھا۔وہ نکتہ اجتہادِ مطلق اور مطلق اجتہاد کا ہے۔جہاں تک اجتہادِ مطلق کا تعلق ہے وہ تو بنیادی اصول ہیں جن کا صحابہؓ، تابعینؒ اور تبع تابعینؒ کے دور میں فیصلہ ہو چکا ہے۔مطلق اجتہاد نئے ظاہر ہونے والے مسئلے کو پہلے سے وضع کردہ اصولوں (اجتہادِ مطلق) کے مطابق کے حل کرنے کو کہتے ہیں۔اس لئے جس وقت کہا جاتا ہے کہ اجتہاد کا دروازہ بند ہے تو وہ اجتہادِ مطلق کے بارے میں کہا جاتا ہے۔جب کہتے ہیں کہ اجتہاد کا دروازہ کھلا ہے تو وہ مطلق اجتہاد کے بارے میں کہتے ہیں۔یہی اچھنبا reconstruction of religious thoughts in islam میں ہے۔

علامہ اقبال مرحوم کو کسی نے کہا کہ دیوبند کے ایک بہت بڑے عالم آئے ہوئے ہیں آپ اُن سے جا کر مل لیں۔خیر یہ چلے گئے۔دیکھا کہ ایک آدمی بیٹھے ہوئے ہیں۔اُن کے آگے لوگ ایسے بیٹھے ہوئے ہیں گویا مچھلی پانی میں اور کوئی نہ ذرا حرکت کر رہا ہے اور نہ بول رہا ہے، انتہائی سکون اور خاموشی ہے۔اُن کا دبدبہ اور رعب مجلس پر چھایا ہوا ہے۔اتنے میں کسی آدمی نے کوئی بات پوچھی۔وہ صاحب جب بولنے لگے تو علامہ اقبال کو اندازہ ہوا کہ یہ آدمی تو وہ علم بول رہا ہے جس کی

مجھے ضرورت تھی۔ یہ شخصیت مولانا انور شاہ کشمیریؒ کی تھی۔ چنانچہ علامہ اقبال نے کہا کہ اجتہاد ایسی شخصیات کر سکتی ہیں۔ جبکہ میری طرح آدمی اُن سے سوال کر رہا ہو۔

Reconstruction of religious thoughts in islam

کی تحریر کے مطابق اب تک علامہ اقبال کا بیٹا جسٹس جاوید اقبال یہ بات کہتا رہتا ہے کہ اجتہاد پارلیمنٹ کو کرنا چاہیئے حالانکہ پارلیمنٹ والی بات کو علامہ اقبال نے علماء اور مشائخ سے ملاقاتیں کرنے کے بعد چھوڑ دیا تھا۔ علامہ اقبال ایسے حق پرست آدمی تھے کہ جہاں سے اُن کو حق بات ملتی تھی اُسے قبول کرتے تھے۔ اُن کی ایک پانچ سو اشعار کی کتاب ''مثنوی پس چہ باید کرد اے اقوامِ مشرق'' شائع ہوئی تو اُس کے بعض اشعار کی حضرت سید سلیمان ندویؒ نے اصلاح کی۔ اس پر علامہ اقبال نے شکریے کا خط لکھا اور لکھا کہ آپ اس طرح کے مشوروں سے مجھے مستقبل میں بھی نوازیں گے۔ اہلِ علم اور دانشوروں کے یہ طور طریقے ہوتے ہیں۔ جبکہ آج کل ہر ایک دانشور بنا ہوا ہے اور پشتو کے محاورے کے مطابق اپنی دم کو ہاتھ لگانے نہیں دیتا۔

☆☆☆☆☆☆☆

صفحہ ۳۲ سے آگے:

جواب: داڑھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے رکھنے کا حکم فرمایا ہے، داڑھی منڈے کے لئے ہلاکت کی بددعا فرمائی اور اس کی شکل دیکھنا گوارا نہیں فرمایا۔ اس لئے داڑھی رکھنا شرعاً واجب ہے اور اس کا منڈانا اور ایک مشت سے کم ہونے کی صورت میں اس کا کاٹنا تمام ائمہ دین کے نزدیک حرام ہے۔

جو مسلمان یہ کہے کہ مجھے فلاں شرعی حکم سے نفرت ہے وہ مسلمان نہیں رہا، کافر مرتد بن گیا ہے۔ جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل مبارک سے نفرت کرے وہ مسلمان کیسے رہ سکتا ہے؟ یہ عورت کسی داڑھی والے کو اپنی لڑکی دے یا نہ دے مگر اس پر کفر سے توبہ کرنا اور ایمان کی اور نکاح کی تجدید کرنا لازم ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆

صبح صادق و کاذب کے بارے میں جامعہ امدادالعلوم کے شعبۂ افتاء کا فتویٰ

جیسا کہ نقشہ میں واضح کیا گیا ہے، یہ نقشہ صبح صادق ۱۵ درجے زیرِافق کے مطابق بنایا گیا ہے اوراس بارے میں اکابر علماء دیوبند کا اختلاف ہے کہ صبح صادق ۱۵ درجے زیرِافق کے مطابق ہوتی ہے یا ۱۸ درجے زیرافق کے مطابق۔

قدیم سے نقشہ جات ۱۸ درجے زیرافق کے موافق ہوتے تھے،لیکن پھر مفتی رشید احمد لدھیانویؒ نے ایک نئی تحقیق پیش کی کہ صبح صادق ۱۵ درجے زیرافق کے مطابق ہوتی ہے اس لئے اس وقت کے اکابر علماء مفتی محمد شفیع صاحبؒ اور مولانا محمد یوسف بنوری صاحبؒ وغیرہ حضرات اس مسئلہ کو ''مجلس تحقیق مسائلِ حاضرہ'' میں زیرِغور لائے اور خود جاکر مشاہدات کیے۔شروع شروع میں ان حضرات کا میلان مفتی رشید احمد صاحبؒ کے قول کی طرف ہوگیا تھا،لیکن پھران حضرات نے ۱۸ درجے زیرِافق کے قول کو ہی راجح قرار دیا۔

مفتی رشید احمد صاحبؒ نے اپنے موقف کے دلائل اور تمام تر تفصیل اپنے رسالہ ''صبح صادق'' میں بیان کی ہے، جو ان کے فتاویٰ ''احسن الفتاویٰ'' ۲/۵۷-۲۷۴ میں درج ہے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مفتی محمد شفیع صاحبؒ اور مولانا محمد یوسف بنوریؒ کی آخری رائے لکھدی جائے۔

تحریر حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ:

۱۳۶۸ھ اور ۱۹۴۸ء میں جب احقر پاکستان کراچی میں آکر مقیم ہوا تو یہاں کی عام مساجد وغیرہ میں اوقات کی ایک جنتری طبع کردہ حضرت حاجی وجیہ الدین صاحب مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ آویزاں دیکھی اور بہت سے قابلِ اعتماد حضرات سے معلوم ہوا کہ انہوں نے اس جنتری کے طلوع و غروب کو مختلف مقامات پر مختلف زمانوں میں جانچا ہے اور صحیح پایا ہے،خود بھی جب کبھی جانچنے کا موقع ملا تو اس کے طلوع وغروب کو صحیح پایا،اس لئے دوسرے اوقات کے معاملے میں بھی اسی پر اعتماد کیا گیا۔

اب سے چند سال پہلے اپنے احباب میں سے بعض اہلِ علم نے کچھ نئی تحقیق کر کے یہ قرار دیا کہ اس جنتری میں جو وقت صبح صادق کا دیا گیا ہے، درحقیقت وہ صبح کاذب کا ہے اور اس پر جدید و قدیم کے کچھ اہلِ فن کے اقوال بھی پیش کئے، چونکہ یہ احتمال غالب تھا کہ نئے اہلِ فن نے صبح کاذب اور صادق میں فرق نہ کر کے کاذب ہی کو صبح کہہ دیا ہو، اس لئے مجھے بھی صادق کے معاملہ میں تردّد ہو گیا، اسی بنا پر ہر رمضان میں نقشۂ اوقات کے ساتھ یہ نوٹ شائع کرنا شروع کیا کہ سحری کا کھانا تو قدیم جنتری کے وقت پر ختم کر دیا جائے مگر صبح کی نماز اس کے بعد پندرہ بیس منٹ انتظار کے بعد پڑھی جائے۔

سالِ رواں میں بعض اہلِ فن حضرات کے ساتھ بحث و تمحیص اور جدید فلکیات کی بعض کتابوں کی مراجعت پر یہ بات ثابت ہو گئی کہ جدید ماہرینِ فلکیات نے خود صبحِ کاذب کا الگ کر کے بیان کیا اور وہ درحقیقت رات کا حصہ ہے اس کے بعد جو صبح صادق ہوتی ہے اسی کو انہوں نے صبح کہا ہے اس نئی تحقیق اور بحث سے میرا تردّد رفع ہو گیا اور میں قدیم جنتری کے اوقات کو حسابی اعتبار سے صحیح سمجھتا ہوں، البتہ یہ حسابات خود یقینی نہیں ہوتے، نماز، روزہ کے معاملہ میں احتیاط ہی کا پہلو اختیار کرنا چاہیے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ ۲۴ ذی الحجہ ۱۳۹۳ھ

[بحوالہ احسن الفتاوی ۲/۱۹۱]

تحریر مولانا محمد یوسف صاحب بنوری رحمہ اللہ تعالیٰ:

کچھ عرصہ سے کراچی اور چند اور شہروں میں نماز فجر اور سحری کے اوقات کے مختلف نقشے سامنے آئے، جس کی وجہ سے عوام، خاصی پریشانی میں مبتلا ہو گئے کہ کس پر عمل کریں اور کس کو صحیح سمجھیں، اس وقت چونکہ پوری تحقیق کا موقع نہ مل سکا تھا اس لئے احتیاطاً یہی فتوی دیا گیا کہ نماز کے لئے ان نقشوں پر عمل کیا جائے کہ جن میں صبح صادق کا وقت بعد تک ہے اور انتہاء سحری کا وقت ان سے لیا جائے جن میں وقت پہلے ختم ہوتا ہے، لیکن بعد میں بعض مخلصین کی کوشش سے جو معلومات حاصل ہوئیں، ان سے بات پایۂ تحقیق کو پہنچی کہ تمام نقشوں میں وہی سابق کراچی کا نقشہ جس کو مرحوم حضرت وجیہ الدین

صاحب خان بہادر نے مرتب کروایا تھا اور چھاپا تھا وہ بالکل صحیح ہے، ہاں جس کا جی چاہے نماز دیر سے پڑھے تا کہ اس کو بھی یقین ہو جائے کہ وقت ہو گیا ہے تو اور اچھا ہے، دین کی بات میں ضد کی حاجت نہیں، جو بات صحیح ہو اس کو ماننا اور غلط بات سے رجوع کرنا یہ عین دین کی بات ہے، اللہ تعالیٰ سب کو صحیح سمجھ اور صحیح عقل کی توفیق عطا فرمائے۔

محمد یوسف بنوری ۲ رمضان المبارک ۱۳۹۳ھ

[احسن الفتاوی ۱۹۱/۲-۱۹۲]

اور مفتی تقی عثمانی صاحب مدّ ظلہ ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

صبح صادق کے مسئلہ پر حضرت والد صاحبؒ اور حضرت مولانا بنوری صاحب قدس سرہ کے زمانے میں مہینوں تحقیق جاری رہی جس میں مشاہدات بھی کیئے گئے اور حسابی تحقیق بھی کی گئی، آپ نے ٹنڈو آدم کے جس مشاہدے کا ذکر فرمایا ہے وہ متعدد مشاہدات کا ایک مرحلہ تھا کوئی حتمی فیصلے کی بنیاد نہیں بنایا جا سکتا، اس کے بعد بھی متعدد مشاہدات کیئے گئے، کتابی تحقیق بھی ہوئی، بالآخر حضرت والد صاحبؒ اور حضرت مولانا بنوری صاحبؒ دونوں نے حضرت مفتی رشید احمد صاحب مد ظلہم کی تحقیق سے اختلاف اور اس پر عدمِ اطمینان کا اعلان فرمایا، اس کے بعد انہی حضرات کے حکم سے خود احقر نے ایک مفصل تحریر حضرت مفتی رشید احمد صاحب مد ظلہم العالی کی خدمت میں بھیجی، جس میں ان بزرگوں کے فیصلے کی وجوہ عرض کی تھیں، حضرت مد ظلہم کی طرف سے اس تحریر کا کوئی جواب بھی موصول نہیں ہوا۔

بہر صورت یہ مسئلہ مہینوں کی محنت اور تحقیق و مشاہدہ کے بعد کم از کم ہماری حد تک واضح ہو گیا، افسوس ہے کہ اس کے باوجود ہر موقع پر ٹنڈو آدم کے اس نا تمام مشاہدے کی بنیاد پر بزرگوں کو مطعون کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اور ان حضرات کی بعد کی تحریروں، مشاہدات اور زبانی گفتگو کا کوئی حوالہ نہیں دیا جاتا۔

بہر کیف اگر کسی صاحب کو حضرت مفتی رشید احمد صاحب مد ظلہم کی تحقیق پر ہی اعتماد ہے تو

بے شک اس پر عمل فرمائیں لیکن مذکورہ بزرگوں کے موقف کو اندھی تقلید پر مبنی قرار دینا اور ان وفات یافتہ بزرگوں کے بارے میں زبان طعن دراز کرنا کسی طرح مناسب نہیں۔

والسلام

احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ ۱۴۱۷/۱۱/۲۵ھ

[فتاوی عثمانی ۳۸۷/۱-۳۸۸]

پاکستان میں مذکورہ بزرگوں کے بعد دیگر اہلِ علم و ماہرینِ فن کا بھی اس میں اختلاف ہے جناب شبیر احمد کاکاخیل صاحب اور پروفیسر عبداللطیف صاحب صبح صادق ۱۸ درجے زیرافق کے قائل ہیں جبکہ بشیر احمد بگوی صاحب اور مفتی شوکت صاحب ۱۵ درجے زیرافق کے قائل ہیں۔ جناب شبیر احمد کاکاخیل صاحب نے تفصیل کے ساتھ اپنے موقف کو اپنی کتاب ''فہم الفلکیات'' ص ۱۲۱-۱۲۶ دارالعلوم کراچی، اور اپنے ایک مضمون مطبوعہ ماہنامہ غزالی پشاور (جنوری ۲۰۰۸ تا اپریل ۲۰۰۸ء مکمل چار قسطیں) میں واضح کیا ہے۔

اور پروفیسر عبداللطیف صاحب نے اپنے موقف کو تفصیل سے اپنی کتاب ''تسہیل الفلکیات'' ص ۱۸۱-۲۳۹ مکتبہ عابد و خالد کراچی میں واضح کیا ہے۔

اور جناب بشیر احمد بگوی صاحب نے اپنے موقف کو تفصیل سے اپنے رسالے ''وقت سحر و افطار'' میں واضح کیا ہے۔

اور مفتی شوکت علی صاحب نے اپنا موقف تفصیل کے ساتھ اپنے ایک مضمون مطبوعہ ماہنانہ غزالی پشاور (مئی ۲۰۰۸ء تا دسمبر ۲۰۰۸ء، ۸ قسطیں (جاری)) میں واضح کیا ہے۔ اس تمہید کے بعد نقشہ مذکورہ کے بارے میں چند باتیں عرض کی جاتی ہیں:

(۱) چونکہ صبح صادق ۱۸ درجے زیرافق یا ۱۵ درجے زیرافق کے بارے میں اکابر علماء کا اختلاف ہے، ہر ایک جانب تحقیقات اور مشاہدات ہیں، لہٰذا اپنے موقف کو بیان کرتے وقت یا شائع کرتے وقت زبان و آداب کا خاص خیال رکھنا چاہیے۔ عموماً ۱۵ درجے زیرِ افق کے موقف

رکھنے والے حضرات اپنا موقف بیان کرتے وقت سخت لہجہ اپناتے ہیں، یہی بات مذکورہ نقشہ میں بھی موجود ہے، اس لئے اس پہلو سے اس نقشے کی نظر ثانی کی جائے۔

(۲) مناسب یہ ہے کہ اپنے موقف کو مدلّل انداز میں الگ شائع کیا جائے اور نقشے میں فقط ضروری باتوں پر اکتفا کی جائے اور دلیل کے لئے تفصیلات کا حوالہ دیا جائے

(۳) بہتر یہ ہے کہ فجر کے اوقات کے لئے دو دو خانے بنائے جائیں اور دونوں موقف رکھنے والوں کے اوقات تحریر کئے جائیں اور احتیاط کی تعلیم کے لئے ایک جملہ لکھدیا کہ " سحری ۱۸ درجے زیرِ افق کے موافق بند کی جائے اور اذانِ فجر ۱۵ درجے زیرِ افق کے موافق دی جائے۔"

(۴) جو فتویٰ ہمارے دار الافتاء جامعہ امداد العلوم پشاور صدر سے بتاریخ ۱۲ ربیع الاول ۱۴۲۷ھ بمطابق ۱۱ اپریل ۲۰۰۶ء فتویٰ نمبر ۷۷ ۵۸ جاری ہوا ہے، وہ فتویٰ اس مسئلے کو مکمل تفصیل کے ساتھ مطالعہ کئے بغیر فقط مفتی رشید احمد صاحبؒ کی تحقیق کی بنیاد پر تحریر کیا گیا تھا، اسی سے نقشہ مذکورہ میں تائید حاصل کی گئی ہے، اب جبکہ اس مسئلہ کو تفصیل کے ساتھ دیکھا گیا ہے، لہذا اب اس مسئلہ میں اس زیرِ نظر فتویٰ کو بنیاد بنایا جائے۔ فقط واللہ اعلم

کتبہ اسد اللہ

دار الافتاء جامعہ امداد العلوم جامع مسجد درویش

صدر، پشاور۔

۱۴۳۰/۱/۱۶ = ۲۰۰۹/۱/۱۴ء

[جناب حضرت مولانا تقی عثمانی صاحب کی خط کشیدہ عبارت میں اس کی وضاحت آ گئی کہ جن حضرات کو حضرت مفتی رشید احمد صاحب قدس سرہٗ کی رائے اور تحقیقات سے ہی اطمینان ہے تو وہ اس پر عمل کر سکتے ہیں۔ اس بات کی روشنی میں دونوں فریقوں کو ایک دوسرے کو الزام نہیں دینا چاہئے کہ اُن کی رائے سے نمازیں روزے خراب ہو رہے ہیں۔ اپنے اپنے موقف کو دلائل سے بیان ضرور کر سکتے ہیں لیکن اس بات کو تحریک بنانا اور ایک دوسرے پر اعتراض کرنا درست نہیں۔ ادارہ]

ایک مریض کا واقعہ

(ڈاکٹر محمد سفیر صاحب، اسسٹنٹ پروفیسر، نصیر ٹیچنگ ہسپتال، پشاور)

یہ واقعہ ان دنوں کا ہے جب میں اپنی Specialization کے امتحان کی تیاری کر رہا تھا امتحان پاس ہونے کے لئے بہت پریشان تھا۔ گاؤں سے ایک مریض آیا ۵۰ سال کے قریب اس کی عمر تھی جسامت میں بہت موٹا لیکن انتہائی غریب آدمی۔ مریض کے ساتھ اس کا داماد تھا مریض نے بتایا کہ کئی دنوں سے پیٹ میں درد رہتا ہے اور اکثر اوقات درد دائیں طرف پسلیوں کے نیچے رہتا بار ہا کوہاٹ میں ہسپتالوں کے چکر لگائے لیکن درد کم ہونے کے بجائے بڑھ رہا ہے واقعی مریض کے بتانے کے انداز میں اور چہرے کے اثرات سے بہت تکلیف میں تھا چونکہ FCPS-II کے امتحان کی تیاری کر رہا تھا اس لئے اسی نقطہ نظر سے مریض کو تفصیل سے دیکھنے کہ بعد میں خیال ہوا کہ یا تو اس کو کوئی جگر کا کینسر ہے یا پتے میں پتھر کی شکایت ہے اس کے داماد سے میں نے کہا کہ فی الحال صرف الٹرا ساؤنڈ کروا کے مجھے دِکھا دو پھر فیصلہ کریں گے کہ اس کو داخلے کی ضرورت ہے یا نہیں شام کو مریض الٹرا ساؤنڈ کرا کے میرے گھر آ گیا تو رپورٹ میں پتے میں کافی پتھریاں تھیں اور انکی وجہ سے پتے میں زخم اور سوجن ہو چکی تھی جس کو سرجن Acute cholecystitis کہتے ہیں یہ ایک سرجیکل ایمرجنسی ہوتی ہے کیوں کہ اگر وقت پر آپریشن نہ ہو تو پتے کے پھٹنے کا خطرہ ہوتا ہے جس کی وجہ سے موت واقع ہو سکتی ہے۔ چنانچہ میں مریض کو فوراً خیبر ٹیچنگ ہسپتال لے گیا اور جس وارڈ کی ایمرجنسی تھی اس میں داخل کر دیا۔ ہاؤس جاب والے ڈاکٹر جاننے والے تھے انہوں نے کہا سینئر ڈاکٹر اس کا رات کو آپریشن کرلیں گے ہم نے اس کو ایمرجنسی مریضوں کی لسٹ میں ڈال دیا ہے آپ بے فکر رہیں مجھے بھی پورا یقین تھا کہ یہ آپریشن ہو جائے گا کیونکہ میں نے سرجیکل وارڈ میں ہاؤس جاب کی تھی تو ضرور بضرور ایسے مریض کا ایمرجنسی میں آپریشن ہو جاتا تھا میں مطمئن ہو کر گھر آ گیا۔ دو دن بعد مریض کی تیمارداری کیلئے گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ مریض کا آپریشن نہیں ہوا بلکہ Discharge slip اس کے ہاتھ میں ہے اور اس کی تکلیف اسی طرح ہے۔ مجھے بہت غصہ آیا میں ہاؤس جاب والے ڈاکٹر جس کے بیڈ کا یہ مریض تھا اس کے پاس گیا اور ساری تفصیل پوچھی اس نے کہا کہ سر میں کیا کروں

ہمارے اسسٹنٹ پروفیسر نے اس کو Discharge کیا ہے اور اس کی منشا ہے کہ یہ مریض اس کے کلینک آجائے۔ میں Discharge slip لیکر اسسٹنٹ پروفیسر کے پاس چلا گیا کہ کس بنیاد پر آپ نے اس مریض کو Discharge کیا ہے؟ اس نے کہا میں نے Discharge نہیں کیا سینئر رجسٹرار نے Discharge کیا ہے۔ خیر میں سینئر رجسٹرار کے پاس چلا گیا اس کو بھی میں اچھی طرح جانتا تھا اس نے انکار کیا کہ میں نے نہیں اسسٹنٹ پروفیسر نے Discharge کیا ہے۔ یہ سینئر رجسٹرار اور اسسٹنٹ پروفیسر دونوں آپس میں گہرے دوست تھے۔ میں سینئر رجسٹرار کو لیکر اسسٹنٹ پروفیسر کے پاس لے گیا کہ اب بتاؤ سچ کیا ہے کس نے اس مریض کو بغیر آپریشن کے Discharge کیا ہے؟ دونوں ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ پھر سینئر رجسٹرار نے کہا کہ اس کا سینہ خراب تھا اس لئے اس کا آپریشن ملتوی کیا ہے۔ دونوں آنکھوں آنکھوں میں ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے انہوں نے کہا دیکھو Chest physician نے لکھا ہے کہ یہ آپریشن کیلئے فٹ نہیں ہے کیوں کہ اس کا سینہ خراب ہے میں نے ان سے کہا کہ میں Physician تو نہیں بنا لیکن جانتا ہوں کہ اس کے دائیں جانب جو سینہ خراب ہے یہ اس کی اسی بیماری کا اثر ہے یہ آپریشن کیلئے مکمل فٹ ہے۔ مزید میں نے ان دونوں سے کہا کہ میں آپ کو آپ کے کلینک سے داخل کیلئے ایسے مریض دکھا سکتا ہوں جن کا سینہ واقعی بہت خراب ہے اور ان کا آپ نے آپریشن کیا ہے حالانکہ وہ سرجیکل مرض کے عام مریض ہیں جنہیں آپریشن کی ضرورت بھی نہیں جبکہ میرے اس مریض کا ایمرجنسی سرجیکل کیس ہے۔ اسی گفتگو کے دوران میں نے کہا کہ میں آپ کو آپ کے کلینک کی فیس ابھی دیتا ہوں براہِ مہربانی آپ اس کا آپریشن کریں اُن دنوں ڈاکٹروں کی پرائیویٹ پریکٹس بند ہونے پر حالات خراب تھے میں نے اسٹنٹ پروفیسر سے کہا کہ ٹھیک ہے میں اس مریض کے Case کو ابھی Chief Executive کے پاس لیکر جاتا ہوں اور آپ کے خلاف عدالتی کروائی کیلئے بھی جاتا ہوں اور ساتھ اخبار میں آپ کے متعلق تفصیل آج ہی دیتا ہوں اس کے بعد جو ہوگا دیکھا جائے گا۔ میرا یہ کہنا تھا کہ دونوں سرجن صاحبان فوراً بدل گئے اور میری آؤ بھگت شروع کر دی آپ ایسا نہ کریں ہمیں نہیں پتا تھا کہ یہ آپ کا مریض ہے آپ خفا نہ ہوں ہم وعدہ کرتے ہیں کہ آج ہی اسکا آپریشن کرتے ہیں۔ سرجن صاحبان کا روپ اس طرح بدلا جس طرح گرگٹ رنگ بدلتا ہے۔

(باقی صفحہ ۲۹ پر)

ملفوظاتِ شیخ ﴿حضرت ڈاکٹر فدا محمد دامت برکاتھم﴾

(ظہور الٰہی فاروقی صاحب) (قسط نمبر: ۱۴)

امتحان کو آدمی جب پاس کرتاھے پھر اللّٰہ تعالیٰ دین کا کام لیتا ھے:

فرمایا کہ ایک دفعہ ایک ڈاکٹر صاحب نے تبلیغی جماعت میں تین دن دیئے تو اُن کو وصول کرنے کے لیے میں گیا۔ وہاں ایک سیاسی پارٹی کے آدمی بیٹھے ہوئے تھے اُنھوں نے کہا کہ آپ لوگ جہاد نہیں کرتے، بُرائی کو دیکھ کر ہاتھ سے روکنا چاہیے اور نہیں تو آدمی زبان سے روکے، نہیں تو آدمی دل سے روکے اور دل سے روکنا تو سب سے ضیعف ایمان ہے۔ یعنی کہ تم ضعیف ایمان پر ہو اور ہم تم سے قوی ایمان پر ہیں۔ بندہ نے جواب دیا کہ ہمیں تو اس بات کا دعویٰ ہی نہیں کہ ہم تم سے قوی ایمان پر ہیں۔ ہمیں تو اپنی کمزوریوں اور کمیوں کا احساس ہے، اپنے ضُعف کا احساس ہے کہ ہمارے اندر ساری کمیاں ہیں۔ میں اُن سے بحث میں نہیں اُلجھا تو اُنھوں نے دوسرا راؤنڈ لیا، جیسے باکسنگ میں ایک راؤنڈ ہو کر پھر دوسرا راؤنڈ شروع ہوتا ہے۔ تو اُنھوں نے پھر کہا کہ آپ لوگ کیا کرتے ہیں؟ کچھ نہیں کرتے ہیں کہ آپ لوگ کمزور ایمان والے ہیں۔ تو میں نے اُن سے پھر کہا کہ ہم نے تو کبھی قوی ایمان کا دعویٰ ہی نہیں کیا ۔ ہمارا ایمان کمزور ہے ہم اُس کو دُرست کرنے کی کوشش کر رہے ہیں، آپ ہمارے لیے دُعا کیا کریں۔ اُس نے جب تیسرا راونڈ لیا تو پھر اُس کو اندازہ ہوا کہ یہ آدمی بحث میں بالکل اُلجھنا نہیں چاہتا۔ اتنے میں ڈاکٹر صاحب نے بسترہ تیار کر لیا۔ میں نے کہا کہ آؤ ڈاکٹر صاحب کہ جائیں اور اُس جماعت اسلامی والے سے کہا کہ آپ ہمارے لیے دُعا کیا کریں کیونکہ ہمارا تو کوئی دعویٰ ہی نہیں ہے کمال کا۔

جب تُو دین کا کام کریگا تو اُس سے لوگوں میں مقبولیت ہوگی۔ وہ تیری ساری چیزوں کو پیسے سے خریدنے کی کوشش کریں گے۔ تجھے شکرانے پیش کر کے، پیسے دے کر، اپنے کاموں کے لیے تیری وجاہت کو، حیثیت کو استعمال کرنے کی کوشش کرینگے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے امتحان ہوگا کہ اگر اس جگہ تُو پھنس گیا تو بس پیسہ تو ہو جائے گا لیکن تعلق مع اللہ نہیں رہے گا۔ پھر جب آدمی اس جگہ سے پار ہو جاتا ہے تو لوگ اس کی حیثیت اپنی سیاست کے لیے استعمال کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ ہم آپ کو ٹکٹ دے رہے ہیں، ہم آپ کو الیکشن میں کھڑا کر رہے ہیں تا کہ اس حیثیت کو استعمال کریں۔ اور اگر تُو یہاں استعمال ہو گیا تو دُنیا تو ہو گئی مگر تعلق مع اللہ نہ رہا۔ اس ٹیسٹ کو آدمی جب پاس کرتا ہے پھر اللہ تعالیٰ دین کا کام لیتا ہے۔

اھلِ دُنیا بھت بیوقوف ھوتے ھیں، فائدے نقصان کو نھیں سمجھ رھے

ہوتے کہ میرا فائدہ کس میں ہے؟

فرمایا کہ وفات تک حضرت تھانویؒ کو کسی بھی قسم کی کمائی کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئی حالانکہ وہ اپنی صرف ایک کتاب کو خود چھپواتے اور خود بیچتے مثلاً تفسیر کو یا بہشتی زیور کو تو مال و دولت کے انبار لگ جاتے (اس تفسیر پر اور اسی بہشتی زیور پر کتب فروشوں نے خزانے بنائے ہیں)۔ آپؒ کی ایک ہزار تصانیف ہیں، وہ اتنی بکی ہیں کہ ان پر لوگوں نے دولتوں کے انبار جمع کئے ہیں۔ لیکن اُنھوں نے اتنا تک بھی نہ کیا کہ رجسٹریشن کر کے حق محفوظ کیا جائے کہ میری اولاد کو، میرے مدرسے یا میرے خاندان کو فائدہ ملے بلکہ جو چھاپتا ہے اور جہاں سے چھاپتا ہے بالکل کھلی اجازت ہے، صرف یہ ہے کہ اس میں مضمون کی تبدیلی نہ کرے اور غلطیاں نہ کرے۔

سچ بات ہے کہ اہلِ دُنیا بہت بیوقوف ہوتے ہیں، فائدے نقصان کو نہیں سمجھ رہے ہوتے کہ میرا فائدہ کس میں ہے؟

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰهُمْ اَنْفُسَهُمْ ط اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَاسِقُوْنَ o

ترجمہ: اور تم ان لوگوں کی طرح مت ہو جنھوں نے اللہ (کے احکام) سے بے پروائی کی، سو اللہ تعالیٰ نے خود ان کی جان سے ان کو بے پروا بنا ڈالا، یہی لوگ نافرمان ہیں۔

زندیق کسے کہتے ہیں؟

فرمایا کہ ہمارے ایک مُرید شادی کی فکر میں تھے، اُس کی خالہ نے اسے کہا کہ ہمارے ایک پیر صاحب ہیں آپ اُنکے پاس چلے جائیں۔ وہ پیر صاحب کہتے ہیں کہ اس کی تقدیر بند ہے اور کسی نے اس کو بند کیا ہوا ہے، یہ چینی اور پانی لیکر آئے ہم اس کو دَم کریں گے اور تقدیر کو کھولیں گے۔ تو کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا کہ پیر صاحب کیسے ہیں؟ اُنھوں نے بتایا کہ نماز وغیرہ نہیں پڑھتے ہیں، داڑھی منڈوائی ہوئی ہے لیکن بحر حال وہ پہنچے ہوئے ہیں۔ اب ان کو اس چیز کی ضرورت ہی نہیں رہی ہے اور نماز یہاں سے آنِ واحد میں خانہ کعبہ پہنچ کر وہاں پڑھتے ہیں۔ اُس کا جانے کا جذبہ ہو گیا تھا کہ چلو ٹھیک ہے اگر بیوی یہاں سے ملتی ہے تو ایسے ہی سہی۔ مجھ سے پوچھنے آیا تو میں نے جواب دیا کہ یہ تو زندیق ہے۔ اس کو بڑی حیرت ہوئی۔ زندیق تو میں نے کہہ دیا تھا لیکن میں اندر سے بڑا ڈر رہا تھا کہ مجھے کچھ ہو نہ جائے کہ خالہ کہہ رہی تھی کہ آپ کو کچھ ہو جائیگا۔ میں نے کہا کہ برخودار! جو شخص معصیت اور گناہ میں مبتلا ہو اور اُس کے دُرست ہونے کے شریعت و قرآن سے دلائل دے رہا ہو اور اُس پر قائم ہو تو زندیق اسی کو کہتے ہیں کہ جو حقائق کو بدل کر اُن کی تشریح اپنے نفس کے مطابق

کررہا ہو۔

سُلوک اور اخلاص میں فرق:

فرمایا کہ سلوک تو کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کا تعلق پیدا کرنے والے طریقے پر چلنا۔ سالک چلنے والا ہے اور سلوک چلنے کی ترتیب ہے۔ جو آدمی بیعت ہوا، اور جس آدمی نے اعمال شروع کیے اور اپنی اصلاح کے کام پر لگ گیا یہ سالک ہے۔ اور جو بزرگوں نے طریقے مُدَوَّن کیے ہوئے ہیں اور لکھے ہوئے ہیں یہ سلوک ہے اور اخلاص ان ساری چیزوں کو رضائے الٰہی کے لیے کرنا، کسی اور جذبے کے تحت نہ کرنا ہے۔ اب ہندو جوگی بڑے بڑے مجاہدے کرتے ہیں، نفس کو مار دیتے ہیں، خواہشاتِ نفسانیہ کو کچل دیتے ہیں لیکن اُن کا جذبہ بڑا جوگی بننے کا ہوتا ہے جو کہ مافوق الفطرت سی شخصیت ہوتی ہے۔ جیسے کہ اولیاء اللہ کی کرامتیں ہوتی ہیں۔ اسی طرح کی چیزیں ان جوگیوں سے بھی ظاہر ہونے کے حالات بنتے ہیں کہ ہَوا میں اُڑتے ہیں، پانی پر چلتے ہیں لیکن یہ سب کچھ اُنھوں نے رضائے الٰہی کے لیے نہیں کیا ہوا ہوتا بلکہ بھگت اور بڑا جوگی بننے کے لیے کیا ہوتا ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کے دربار میں قبول نہیں ہوتے۔ پہنچے ہوئے ضرور ہوتے ہیں لیکن ایسے ہی جیسے بادشاہ کے محل میں ایک تو وزیر پہنچا، ایک مہمان پہنچا اور ایک ڈاکو پہنچا۔ مہمان کے لیے تو بادشاہ نے کھانے کا بندوبست کرنا ہوگا، وزیر کی ضروری باتوں کو سننا ہے اور ڈاکو پر جلدی سے فائر کرنے کا حکم دینا ہے۔ تو یہ جو اہلِ باطل ہوتے ہیں بڑے بڑے کارنامے آپ کو کرکے دکھا دیں گے۔ یہ پہنچے ہوئے ہیں ضرور... لیکن جہنم تک اور پہنچے ہوئے ہوتے ہیں دربارِ الٰہیہ میں لیکن ڈاکو بن کر، ان کے لیے فوراً قتل اور گرفتاری کا حکم ہونا ہوتا ہے۔ اس لیے ان سے اِک ذرہ بھی متاثر نہ ہوا کریں۔

آسان اور صحیح نسخہ:

فرمایا کہ میں نے ایک مضمون میں لکھا تھا ''نفس ساڑنا'' ہزارے کی ہندکو کی اصطلاح ہے یعنی نفس کو جلانا، کہ کھانا پینا چھوڑ کر وہ ایسے ہو جاتے تھے کہ جسم پر ہڈی چمڑہ رہ کر اپنا ہوش وحواس کھو بیٹھتے تھے۔ اُن کو کشف ہونے لگتا ہے کہ آدمی آیا اُس کو کشف ہو رہا ہے کہ اس کا یہ کام ہو جائے گا یا نہیں ہوگا چنانچہ کبھی ہو جاتا ہے کبھی نہیں ہوتا، تو لوگ سمجھتے تھے کہ یہ پہنچے ہوئے بزرگ ہیں حالانکہ پہنچے ہوئے نہیں ہوتے۔ پہنچے ہوئے بزرگ تو صاحبِ شریعت ہوتے ہیں جن کے ہوش وحواس قائم ہوتے ہیں اور کبھی کوئی دعویٰ کی بات

کرینگے ہی نہیں۔ اگر شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ زندہ ہوجائیں اور آپ اُن کے پاس جائیں کہ یہ میرا فلاں کام ہے تو وہ کبھی یہ نہیں کہیں گے کہ ہم نے کردیا، یا کروادیا، یا ہوگیا۔ بلکہ یوں فرمائیں گے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے حضور دُعا کریں گے، اللہ تعالیٰ آسانی فرمائے۔ اور یہ جنھوں نے دس سال تک استنجا نہیں کیا ہوا ہوتا ہے اور کہتے ہیں کردیا ہے، یہ ہوگیا اور وہ ہوگیا۔ وہ اپنے لیے جہنم کے اُونچے درجے تیار کررہے ہوتے ہیں۔ اور سادہ لوح لوگ بیچارے تو ایسے ہی اپنی سادہ لوحی کی وجہ سے جاتے ہیں اور اعتقاد کی وجہ سے کام اُن کے بنتے رہتے ہیں۔ ورنہ حقیقت ان کے پاس قطعاً نہیں ہوتی۔

ہمیشہ توبہ کے ذریعے سے اپنے گناہوں کی معافی مانگنا، اعمالِ صالحہ کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کی رضا و قرب کو حاصل کرنا، اور دُعا کے ذریعے اپنے مسائل کو حل کرانا یہ آسان اور صحیح نسخہ ہے۔

مجاھدات و کوشش کے بعد جب آدمی نیکی کرتا ھے، نفس کو اُس کے کرنے پربار بار مجبور کرتا ھے، یہاں تک کہ نفس عادی ھو جاتاھے تو اس کے بعد اللّٰہ تبارک و تعالیٰ اس کا مزہ اور حلاوت اُس پر کھولتے ھیں:

فرمایا کہ ایک مرتبہ میرا سوات جانا ہوا، وہاں لوگوں نے کہا کہ ہم آپ (بندہ) سے ایک مریض کو ملوائیں گے کہ اس پر غور کریں اور اس کے علاج کی کچھ فکر کریں۔ اُنھوں نے جب ملایا تو میں نے اس سے پوچھا کہ آپ کو کیا تکلیف ہے؟ اُس نے جواب دیا کہ میں ایک سائیکاٹرک (نفسیاتی دماغی) مریض ہوں۔ میں نے کہا کہ آپ کیا کرتے ہیں؟ لوگوں نے بتایا کہ کاروبار کرتا ہے، ناظم ہے فیصلے کرتا ہے، جرگے کرتا ہے، پولیس والوں کو اس کے پاس آنا پڑتا ہے اس کو وہاں جانا پڑتا ہے، کبھی مسائل حل کرنے کے لئے دھمکی اور گالی گلوچ بھی کرلیتا ہے، لوگوں کی بے عزتی بھی کرلیتا ہے، اُس کا پورا اقتدار ہے اور ڈی سی پر بھی اُس کا رُعب ہے۔ تو میں نے اُس سے کہا کہ تجھے کسی ڈاکٹر نے نہیں بتایا کہ تُو نے اپنے آپ کو اتنی مصیبت میں ڈالا ہوا ہے اور تیری بیماری کی اصل وجہ یہ کام ہیں جس کو تُو گولیوں سے ٹھیک کرنا چاہتا ہے۔ اُس نے کہا کہ نہیں جی۔ کیا تیری بیماری کی ہسٹری کسی نے نہیں لی؟ ہسٹری لیکر تشخیص کرنا اور پھر پرابلم کا رُوٹ کا زیعنی اُس کی جڑ و بنیاد معلوم کرنا اُسکی تہہ تک پہنچنا اور دوائی کا عارضی سہارا دیکر اُس جڑ و بنیاد کو نکالنا وغیرہ ہوتا

ہے۔ میں نے کہا کہ معاف کریں آپکی بیماری کی یہ تشخیص ہے اور علاج آپ کا یہ ہے کہ جب حکومت نے مقدموں کے لیے ایک محکمہ بنایا ہے تو اُن کو اپنا کام کرنے دو۔ جب حکومت نے پولیس کا محکمہ بنایا ہے، ڈی سی وغیرہ اور عدالتیں بنائی ہیں تو آپ لوگوں سے کہیں کہ وہ وہاں پر جائیں، میرے سر میں کیا درد ہے کہ میں لوگوں کے مسئلے حل کرنے کے لیے بیٹھوں، کیا میں کوئی بڑا چوہدری ہوں۔ اپنی چوہدراہٹ قائم کرنے کے لیے اور جذبہ جاہ کو مطمئن کرنے کے لیے اور بڑا بننے کے لیے لوگوں کے مقدمہ کا تو فیصلہ ہوا، اُن کو سُکھ آسودگی ملی۔ اور اُس کے نتیجے میں جذبۂ جاہ میں اور کبر میں، میں مبتلا ہوا اور حالت وصحت میری بگڑی تو اُس سے میں نے کیا فائدہ کمایا؟ مفت کا عذاب اپنے لیے لیا۔ لیکن انسان بے وقوف.... جذبۂ جاہ کے پیچھے پڑتا ہے، جذبۂ مال کے پیچھے پڑتا ہے، جبکہ نفس کے یہ مزے، عارضی اور فانی ہیں۔ اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے ذِکر وعبادت میں، اپنے تعلق میں، خدمتِ خلق میں، نیکی میں اس سے کہیں زیادہ مٹھاس اور حلاوت ومزے رکھے ہیں۔ اور یہ دولتیں اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے تعلق والے بندوں کو دیتے ہیں۔ دُنیا دار عالم کی سب سے پہلی سزا یہ ہوتی ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اُس کو مناجات کی حلاوت سے محروم کر دیتا ہے۔ اللہ کے حضور ذِکر کرنا، فکر کرنا، دُعا ومناجات میں لگنا، عبادت میں لگنا اُس میں جو حلاوت اور جو مزہ ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ اُس سے لے لیتا ہے اور اُس کا اتنا لطف ہے کہ جان چلی جائے تو بھی آدمی کو پروانہیں ہوتی، اتنا لطف ہے اُس کا۔ یہ رُوحانی مزے ہیں اور یہ اللہ تبارک وتعالیٰ بعد مجاہدات کے جب آدمی نیکی کی کوشش کرتا ہے، اعمال کے لیے کوشش کرتا ہے، اعمال کو اپنی عادت بناتا ہے، بار بار کرتا ہے، اور تکلیف اُٹھا کر اعمال کرتا ہے، نفس کو اُس کے کرنے پر بار بار مجبور کرتا ہے یہاں تک کہ نفس عادی ہو جاتا ہے تو عادی ہونے کے بعد اُس کا مزہ اور حلاوت اُس پر کھلتے ہیں۔

اھلِ سُلوک کو باطن میں کبر اور شیخی نہیں لانا چاھیے:

فرمایا کہ تصوف کا ایک حصہ فن ہے کہ نفس کو عادی بنانا اور اللہ تعالیٰ کا دھیان طاری ہو جانا اور باطن میں ذکر کا جاری وساری ہو جانا، یہ سب تو ہم مشق سے کروا لیتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا تعلق، وہ فن نہیں ہے بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنا فضل فرماتا ہے تو آدمی کو اپنا تعلق نصیب فرما دیتا ہے۔ آدمی کے دل میں ایک ذرہ بھی اللہ کے غیر کا خیال نہ آئے یہ مشق سے ہو جاتا ہے اور یہ فن ہے کہ دل مکمل

خالی ہوگیا۔اب اللہ تعالیٰ کے دھیان کے علاوہ کوئی دھیان نہیں آ رہا لیکن یہ معرفت اور تعلق مع اللہ نہیں ہے بلکہ یہ ایک مشق ہے۔تعلق مع اللہ تو جس دن سے آدمی قبول ہوتا ہے اُس دن سے شروع ہوتا ہے۔اور یہ مشق ہے کہ باطن میں وسوسہ نہ آئے اور گناہ کا خیال نہ آئے، اللہ تعالیٰ کے دھیان کے علاوہ دھیان نہ آئے، صحیح دھیان طاری ہو۔پھر اس کے بعد جب آدمی اللہ تعالیٰ کے دربار میں قبول ہوتا ہے اُس دن سے ولایت کا دروازہ یعنی اللہ تعالیٰ کے تعلق کا دروازہ کھلتا ہے۔ان ساری چیزوں میں نیت میں فرق آنے سے مردُود بھی ہو جایا کرتے ہیں۔یہ سارا کچھ اور کمالات کے بڑے بڑے درجے حاصل کیئے ہوئے مردُود ہو جاتے ہیں۔

ابلیس کے کتنے بڑے درجے تھے، سدرۃُ المنتہٰی تک پرواز، ساری کائنات کا کشف، کائنات کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک ایک قدم میں پہنچنا اور اُس کے باطنی نظام کا دیکھنا، یہ ساری باتیں فن کے لحاظ سے اُس کو حاصل تھیں۔لیکن فضلِ الٰہی شاملِ حال نہیں ہوا تھا یعنی قبول نہیں ہوا تھا۔تو کتنی بلندی تک جانے کے بعد گر گیا۔یہاں تک کہ مقاماتِ تصوف کو آدمی طے کر رہا ہوتا ہے، اُس کو یہ چیزیں حاصل ہو چکی ہوتی ہیں لیکن اخلاص نہ ہونے کی وجہ سے یہ ہوتا مردُود ہے، قبول نہیں ہوتا۔سارے کمالات اُس کو حاصل ہوتے ہیں محسوس ہوتے ہیں، دیکھتا ہے، اُن سے گزر رہا ہوتا ہے لیکن قبول نہیں ہوتا۔اس لیے یہ جو اہلِ سُلوک ہوتے ہیں انھیں ان باتوں کو محسوس کرنے کے بعد بھی باطن میں کبر اور شیخی نہیں لانا چاہیے۔یہ کوئی گارنٹی نہیں ہے، کوئی یقین دِہانی نہیں ہے کہ یہ چیزیں حاصل ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ کے دربار میں قبول بھی ہوں۔

حقیقی رُوحانی اعمال جن میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے فی الحقیقت مزہ رکھا ھے اُس کو آدمی کرلے تو اس کے بعد اُس کا مزہ کھلتا ھے:

فرمایا کہ جب پہلی مرتبہ آدمی نسوار کی چٹکی ڈالتا ہے تو کس قدر سر چکراتا ہے، قے آتی ہے، مزہ نہیں آتا لیکن عادی ہو جانے کے بعد اب اگر نسوار نہ ملے تو آدمی کام نہیں کرسکتا۔بہت دفعہ آپ کو شیعہ ذاکر کا لطیفہ سنایا ہے کہ پٹھانوں کے علاقے میں کچھ لوگ شیعہ ہونے کو ہوئے تو ذاکر نے بڑی دردناک تقریر کی لیکن کوئی نہیں رویا، اُس کو بڑا افسوس ہوا اور اُس نے لوگوں سے پوچھا کہ یہاں اتنے نازک حالات

کیسے بیان کرتے ہیں کہ لوگ اس بات کو بہت محسوس کریں اور روئیں۔ تو جواب ملا کہ جب آپ کہیں گے کہ لوگوں کو چائے اور نسوار تک نہیں مل رہی تھی تو پھر لوگوں کو پتہ چلے گا کہ حالات بہت نازک تھے۔ اُس ذاکر نے اپنے اُوپر حال طاری کیا اور رویا دھویا اور پھر انتہائی غمگین شکل بنا کر کہا کہ "کوئی ایسے ویسے مظالم تو نہیں ہوئے تھے بلکہ اس قدر ظلم ہوا کہ چائے اور نسوار تک ملنا مشکل ہوگئی تھی۔" بس پھر تمام پٹھان اس بات پر روئے اور کہنے لگے کہ اچھا..... اس قدر نازک اور گھمبیر حالات تھے کہ چائے اور نسوار بھی نہ ملتی تھی۔ تو نسوار میں بھی مزہ آنے لگتا ہے، جب اس نے بار بار کیا اور اپنے نفس پر جبر کیا تو اب اس کا نفس اس کا عادی ہوگیا۔ قبیح چیز میں بھی آدمی کو لطف آنے لگتا ہے اور بدمزہ چیز میں بھی مزہ آرہا ہوتا ہے۔ تو حقیقی رُوحانی اعمال جن میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے فی الحقیقت مزہ رکھا ہے اُس کو آدمی کرلے تو اس کے بعد اُس کا مزہ کھلتا ہے۔ نفس کو بار بار کرا کے اور اُس پر بوجھ ڈال کے اور اُس عمل کو بار بار کروائیں یہاں تک کہ نفس اس کا عادی ہوجائے۔ (جاری ہے)

☆☆☆☆☆☆☆

صفحہ ۲۲ سے آگے: Discharge Slip مجھ سے لے لی مریض سے کہا تم Discharge نہیں ہو ساتھ ہی کافی ساری دوائیاں جو مریض کو آپریشن کیلئے درکار تھیں وہ بھی دیں میں اگلے دن گیا تو مریض کا آپریشن ہوچکا تھا مریض بہت خوش تھا اس نے کہا آپ نے مجھ غریب آدمی کی مدد کی ہے اللہ آپ کو بہت خوش رکھے۔ میں آپ کے لئے کیا دعا کروں؟ بھوکے کو کیا چاہیے دو روٹیاں اور اندھے کو دو آنکھیں میرا بھی کچھ ایسا ہی حال تھا FCPS کے امتحان کے لئے بہت پریشان تھا میں نے کہا بابا میرے امتحان کیلئے دعا کرو میں اس میں پاس ہوجاؤں مریض نے اپنی جھولی پھیلائی اور دعا کی جب بھی اس کی جھولی مجھے یاد آتی ہے میں بے اختیار روتا ہوں نہ جانے کیوں؟ شاید اس لئے کہ بقول علامہ اقبال کے

؎ دردِ دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو
ورنہ طاعت کیلئے کچھ کم نہ تھے کروبیاں

اللہ کی شان کہ اس کے چند ماہ بعد میرا امتحان تھا اور اللہ نے مجھے امتحان میں کامیاب کیا۔

الحمدللہ!

رویتِ ھلال

(ادارہ)

اس دفعہ رویت ہلال کمیٹی نے آخر اپنے طریقے کے مطابق پھر اُسی چاند کو پہلی رات کا چاند مانا جس کے لئے گواہیوں اور کوششوں کی ضرورت نہیں تھی اور برطانیہ کی برنارڈ لیبارٹری کی نگرانی میں کام کرنے والے سائنسی اداروں نے یہ اعلان کیا کہ اگرچہ چاند پیدا ہو چکا ہے لیکن نظر نہیں آسکتا۔ جبکہ پشاور کی قاسم علی خان مسجد میں باشرع، سمجھدار، صحیح نظر والے لوگوں نے آکر چاند دیکھنے کی گواہیاں دیں۔ ہر اہلِ علم اپنے علم کو سامنے رکھتے ہوئے ان دونوں بیانوں پر غور کرے کہ ایک آدمی چاند کے نظر آنے کا امکان نہ ہونے کا احتمال اور شک بیان کر رہا ہے جبکہ دوسرا آدمی چاند کے دیکھنے کا اعلان کر رہا ہے۔ اس صورت میں آیا شک پر فیصلہ کیا جائے گا یا یقین پر؟ ظاہر ہے شک کے مقابلے میں یقین پر فیصلہ کیا جاتا ہے۔ یہی فرق رویت ہلال کمیٹی اور مسجد قاسم علی خان پشاور کا ہے۔ رویت ہلال والے کسی سرکاری دفتر میں بیٹھ کر گردوپیش کے اضلاع کے ڈی سی، اے سی حضرات وغیرہ سے ٹیلی فونی رابطے کرتے رہتے ہیں جبکہ مسجد قاسم علی خان والے ایک عوامی جگہ پر بیٹھے ہوتے ہیں جہاں گواہ بلا روک ٹوک آتے رہتے ہیں۔ بعض سمجھدار لوگ اس موقف پر قائم تھے کہ یہ حق تو حکومتِ وقت کا ہے لہٰذا کسی دوسری کمیٹی کے فیصلے پر عمل نہیں کرنا چاہیئے۔ واقعی اگر مرکزی حکومت کی طرف سے پکڑ دھکڑ اور جیل میں ڈالنے کی سختی ہوتی جس طرح ایک مرتبہ جنرل ایوب خان کے زمانے میں ہوئی تھی کہ مولانا غلام غوث ہزاروی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو جیل میں ڈال دیا تھا تو پھر اپنے آپ کو اس شر سے بچانے کے لئے سوچا جا سکتا تھا۔ اب جبکہ مرکزی حکومت فراخدلی کا ثبوت دیتے ہوئے اس بات میں مداخلت نہیں کرتی تو صوبائی حکومت کے یا قاسم علی خان کے اعلان میں کوئی قباحت نہیں اور اس پر عمل کرنے سے آدمی گناہگار نہیں ہوتا۔

☆☆☆☆☆☆☆

ایک خط

سیدی، محترمی ومکرمی جناب

السلام علیکم!

ہم بخیر و عافیت ریاض پہنچ گئے۔ آپ کی اور سب ساتھیوں کی یاد بہت شدت سے آتی ہے۔ اعتکاف میں آپ کے ایک بیان کے دوران ایک ساتھی نے آپ سے داڑھی کی تضحیک کرنے والے کے بارے میں پوچھا تھا۔ جس کے جواب میں آپ نے فرمایا تھا کہ اس پر کفر کا فتویٰ ہوسکتا ہے اور ساتھیوں میں سے کسی کے حوالے بھی کیا تھا کہ اس مسئلے کو تلاش کریں۔ میں اپنے ساتھ ادارۂ تالیفاتِ اشرفیہ کی کتاب ''جدید مسائل اور اُن کا حل'' لے کر آیا ہوں۔ اُس کے صفحہ ۳۹۶ اور ۳۹۷ پر یہی سوال اور اُس کا جواب ملا ہے جو ارسالِ خدمت ہے۔

ہم نے اسی جمعہ سے اپنی محفل کا آغاز کر دیا ہے۔ خصوصی دعاؤں کی درخواست ہے۔ میری پروموشن کا کیس بھی انہی دنوں میں فیصلہ ہونا ہے اُس کے لئے بھی طالبِ دعا ہوں۔

والسلام،

ڈاکٹر سید شاہد حبیب،

۱۰ شوال ۱۴۳۰ ہجری

''مجھے داڑھی کے نام سے نفرت ہے'' کہنے والے کا شرعی حکم

سوال: میں ایک تقریب میں گیا تھا وہاں کے ایک لڑکی کے رشتے کی بابت باتیں ہو رہی تھیں۔ لڑکی کی والدہ نے کہا کہ ''یہ رشتہ مجھے منظور نہیں ہے اس لئے کہ لڑکے کی داڑھی ہے۔'' جب یہ کہا گیا کہ لڑکا آفیسر گریڈ کا ہے، تعلیم یافتہ ہے اور داڑھی ہونا تو اور بھی اچھی بات ہے کہ اس زمانے میں راغب با اصلاح ہے۔ تو کہا کہ ''مجھے داڑھی کے نام سے نفرت ہے۔'' آپ فرمائیں کہ داڑھی کی یہ تضحیک کہاں تک درست ہے؟ کیا ایسا کہنے والا گنہگار نہیں ہوا؟ اور اگر ہوا تو کس درجہ کا گناہ ہے اور اس کا کفارہ کیا ہے؟

(باقی صفحہ ۱۵ پر)

تبصرہ کتب

(ڈاکٹر فدا محمد صاحب دامت برکاتہٗ)

۱۔ دارالعلوم کراچی کے شعبۂ تخصص کے طالب علم جناب مولوی عبدالوحید صاحب کے ہاتھوں جناب حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہٗ العالی کا ترجمہ اور تفسیر ہدیہ میں ملے۔ بہت دل خوش ہوا۔ وہ حضرات جو سلسلے میں بندہ سے بیعت ہیں اور ایک سال سے مسلسل اصلاحی مجالس میں آرہے ہیں انہیں اس بات کی اجازت ہے کہ اس تفسیر کو پڑھ کر قرآن مجید کے انوارات اور صاحبِ تفسیر کے فیوض و برکات سے مستفید ہوں۔

۲۔ جناب حضرت مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب مدظلہٗ کی طرف سے جناب حضرت مولانا ڈاکٹر شیر علی شاہ صاحب دامت برکاتہٗ کی کتاب کی دو جلدیں ملیں۔

جنت کے راستے

(ماہنامہ الدعوۃ اِلی اللہ، اپریل: ۲۰۰۸ء سے ظہور الٰہی فاروقی صاحب کا انتخاب)

ہادیٔ برحق، محسنِ انسانیت، عظمت البشر، افضل الانبیاء، ختم الرسل، سرکارِ دوعالم جناب حضرت محمد ﷺ کی صاحبزادی سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا ایک مرتبہ تندور میں روٹیاں لگا رہی تھیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور اپنی لختِ جگر سے فرمایا: فاطمہؓ! ایک روٹی میں بھی لگادوں؟ چنانچہ آپ ﷺ نے بھی ایک روٹی بنائی اور فرمایا کہ تندور میں لگادو۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے وہ روٹی تندور میں لگادی۔ جب حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روٹیاں لگا کر فارغ ہوگئیں تو کہنے لگیں......ابا جان! سب روٹیاں پک گئی ہیں مگر ایک روٹی ایسی ہے کہ جیسے لگائی تھی ویسی ہی لگی ہوئی ہے، اس پر آگ نے کوئی اثر نہیں کیا۔ نبی کریم ﷺ مسکرائے اور فرمایا کہ جس آٹے پر میرے ہاتھ لگ گئے ہیں اس پر آگ اثر نہیں کرے گی۔ **سُبحان اللہ!**

اسی طرح ایک صحابی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کے گھر گیا۔ میں کھانا کھا رہا تھا، اُنہوں نے اپنی باندی سے کہا: جاؤ تولیہ لاؤ۔ جب وہ تولیہ لائی تو دیکھا کہ میلا کچیلا تھا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے غصے سے دیکھا اور فرمایا کہ جاؤ، اسے صاف کرکے لاؤ۔ وہ بھاگی اور تولیہ کو تندور میں ڈال دیا۔ کچھ دیر بعد نکالا تو وہ صاف ستھرا ہوگیا

تھا۔ میں یہ سب دیکھ کر حیران ہوا تو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ ہمارے گھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، اُنہوں نے اس تولیہ سے ہاتھ صاف کیے تھے۔ اس کے بعد اس تولیہ کو جب تندور میں ڈالتے ہیں، آگ اس کے میل کچیل کو کھا جاتی ہے اور تولیہ صاف ہو جاتا ہے۔

یہ تو تھیں لمس نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی برکات، اب ذرا سوچیے کہ جس جسم میں طریقۂ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم نقش ہو جائے، جس دِل میں لا الہ الا اللہ سما جائے اور جس جسم پر طریقۂ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آ جائے وہ کس قدر خوش نصیب ہے اور انشاء اللہ وہ یقیناً جہنم کی آگ سے آزاد بھی ہے۔ جب یہ بے جان چیزیں لمس نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے دُنیا کی آگ سے محفوظ ہو گئیں تو یہ اشرف المخلوقات...... انسان سنن نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی برکات کی بدولت جہنم کی آگ سے کیوں آزاد نہیں ہوگا۔ اور اس سے بھی زیادہ خوش نصیب وہ ہیں جو نہ صرف اپنے آپ کو محمدی بنانے کی کوشش میں ہیں بلکہ اوروں کو بھی عشقِ رسالت کا جام پلانے میں مصروف ہیں۔ اللہ ربّ العزت پورے عالم کے انسانوں کو سنن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سانچے میں ڈھال دے۔ آمین

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ o

يَا مُصَوِّرُ يَا مُصَوِّرُ يَا مُصَوِّرُ وَ لَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ مِنۡ سُلٰلَةٍ مِّنۡ طِيۡنٍ o ثُمَّ جَعَلۡنٰهُ نُطۡفَةً

فِیْ قَرَارٍمَکِیْنٍ ۝ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَۃَ عَلَقَۃً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَۃَ مُضْغَۃً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَۃَ عِظٰماً فَکَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْماً ق ثُمَّ اَنْشَئْنٰہُ خَلْقاً اٰخَرَ فَتَبٰرَکَ اللّٰہُ اَحْسَنُ الْخَالِقِیْنَ ۝ رَبِّ ھَبْ لِیْ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ ۝ رَبِّ لَا تَذَرْنِیْ فَرْدًا وَّ اَنْتَ خَیْرُ الْوَارِثِیْن ۝ رَبِّ ھَبْ لِیْ مِنْ لَدُنْکَ ذُرِّیَّۃً طَیِّبَۃً ط اِنَّکَ سَمِیْعُ الدُّعَاءِ ط یَھَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ اِنٰثاً وَّیَھَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ الذُّکُوْرًا ط اِلٰھِی بَحُرْمَتِ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ وَ اَھْلِ بَیْتِ الْعِظَّام۔

بِسْمِ اللّٰہِ الْرَ حْمٰنِ الْرَ حِیْم ۝

یا مُصَوِّرُ یَا مُصَوِّرُ یَا مُصَوِّرُ وَ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَۃٍ مِّنْ طِیْنٍ ۝ ثُمَّ جَعَلْنٰہُ نُطْفَۃً فِیْ قَرَارٍمَکِیْنٍ ۝ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَۃَ عَلَقَۃً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَۃَ مُضْغَۃً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَۃَ عِظٰماً فَکَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْماً ق ثُمَّ اَنْشَئْنٰہُ خَلْقاً اٰخَرَ فَتَبٰرَکَ اللّٰہُ اَحْسَنُ الْخَالِقِیْن ۝ رَبِّ ھَبْ لِیْ مِنَ الصّٰلِحِیْن ۝ رَبِّ لَا تَذَرْنِیْ فَرْدًا وَّ اَنْتَ خَیْرُ الْوَارِثِیْن ۝ رَبِّ ھَبْ لِیْ مِنْ لَدُنْکَ ذُرِّیَّۃً طَیِّبَۃً ط اِنَّکَ سَمِیْعُ الدُّعَاءِ ط یَھَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ اِنٰثاً وَّیَھَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ الذُّکُوْرًا ط اِلٰھِی بَحُرْمَتِ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ وَ اَھْلِ بَیْتِ الْعِظَّام۔

دارۂ اشرفیہ عزیزیہ کی تربیتی ترتیب

حضرت مولانا محمد اشرف سلیمانی پشاوری رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات کی روشنی میں تربیتی ترتیب کو تین درجوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

درجہ اوّل: تعلیم الاسلام (مفتی کفایت اللہ صاحبؒ) کا چار پانچ مرتبہ مطالعہ تاکہ مسائل ذہن نشین ہوجائیں، جہاں سمجھ نہ آئے خود فیصلہ کرنے کی بجائے علماء سے پوچھنا، استعداد اچھی ہو تو اپنے گھر یا مسجد میں چند ساتھیوں کے ساتھ مل کر اس کو سبقاً سبقاً پڑھنا۔

اُم الامراض، اکابر کا سلوک واحسان، فیضِ شیخ (حضرت مولانا زکریاؒ)

تسہیلِ قصد السبیل، تسہیل المواعظ، اصلاحی نصاب (دس رسالوں کا مجموعہ از حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ)

درجہ دوم: بہشتی زیور، ملفوظاتِ حکیم الامت (مولانا اشرف علی تھانویؒ)، اُسوۂ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ صاحبؒ)، آپ بیتی (حضرت مولانا زکریاؒ)، تذکرۃ الاولیاء (شیخ فریدالدین عطارؒ) اور کیمیائے سعادت (امام غزالیؒ)

درجہ سوم: سلوکِ سلیمانی (حضرت مولانا محمد اشرف سلیمانیؒ) تربیت السالک، التکشف، بوادر نوادر، انفاس عیسیٰ، بصائر حکیم الامت (حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ)، احیاء العلوم (امام غزالیؒ)

جہری ذِکر کی احتیاط اور طریقہ

سارے تصوف کے سلاسل کی طرح ہمارے سلسلہ میں بھی ذِکر کو قلب کی اصلاح میں بطور بنیادی ذریعہ شامل کیا گیا ہے۔ سلسلہ کی ترتیب میں چشتیہ صابریہ جہری طریقہ ذِکر، ضرب کے ساتھ اختیار کیا گیا ہے۔ پہلے درجہ میں صرف سوبار **لا الٰہ الا اللّٰہ**، سوبار **الا اللّٰہ** اور سوبار **اللّٰہ** کا ذِکر کیا جاتا ہے۔ دوسرے اور تیسرے درجہ میں **لا الٰہ الا اللّٰہ** دوسوبار، **الا اللّٰہ** چارسوبار **اَللّٰہُ اللّٰہ** چھ سوبار، **اللّٰہ** سوبار کی اجازت دی جاتی ہے۔

کتابوں کا مطالعہ تو ہر کوئی کرسکتا ہے جبکہ جہری ذِکر کی ترتیب کے لیے بیعت، مشورہ اور اس کے طریقہ کو

بالمشافہ (آمنے سامنے) سیکھنا ضروری ہے، خود سے کرنے میں ذہنی وجسمانی نقصان کا خطرہ ہوسکتا ہے۔

ایک ناقابلِ انکار حقیقت

انسان خدا تعالیٰ کا انکار کرسکتا ہے، رسول کا انکار کرسکتا ہے آخرت کا انکار کرسکتا ہے لیکن ایک ایسی حقیقت جس کا انکار نہیں کرسکتا وہ موت ہے۔

؎ جان جانی ہے جا کر رہے گی موت آنی ہے آ کر رہے گی

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ط وَ اِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ط فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ

ترجمہ: ہر جی کو چکھنی ہے موت اور تم کو قیامت کے دن پورے بدلے ملیں گے۔ پھر جو کوئی دور کیا گیا دوزخ سے اور داخل کیا گیا جنت میں اُس کا کام تو بن گیا۔

؎ پھول بننے کی خوشی میں مسکرائی تھی کلی کیا خبر تھی یہ تغیر موت کا پیغام ہے

اَلْمَوْتُ قَدْحٌ كُلُّ نَفْسٌ شَارِبُوْهَا وَالْقَبْرُ بَابٌ كُلُّ نَفْس ٌدَاخِلُوْهَا

ترجمہ: موت ایک پیالہ ہے جسے ہر نفس نے پینا ہے اور قبر ایک دروازہ ہے جس سے ہر نفس نے داخل ہونا ہے۔

حضرت مولانا محمد اشرف صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ اُن کے شیخ حضرت شاہ عبدالعزیز دعاجو دہلوی رحمت اللہ علیہ تہجد سے پہلے یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔

شب تاریک، رہ باریک، منزل دور، من تنہا دستم گیر یا اللہ!، دستم گیر یا اللہ!

رات اندھیری، راہ ہے ٹیڑھی، منزل دور اور ہم تنہا پکڑیو ہاتھ یا اللہ!، پکڑیو ہاتھ یا اللہ!

بہرحال جن کی آخرت آباد ہے اُن کے لئے تو بشارت ہے:

اَلْمَوْتُ جَسْرٌ یُّوْصَلُ الْحَبِیْبَ اِلَی الْحَبِیْب

ترجمہ: موت ایک پُل ہے جو دوست کو دوست سے ملا دیتا ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ یہی شعر پڑھا کرتے تھے:

؎ بلا سے نزع میں تکلیف کیا ہے سکونِ خاطر بھی کم نہیں ہے
کسی سے ملنے کی ہیں اُمیدیں کسی سے چھٹنے کا غم نہیں ہے

یہ عالم عیش و عشرت کا یہ حالت کیف و مستی کی بلند اپنا تخیل کر یہ سب باتیں ہیں پستی کی
جہاں دراصل ویرانہ ہے گو صورت ہے بستی کی بس اتنی سی حقیقت ہے 'فریبِ خوابِ ہستی' کی
کہ آنکھیں بند ہوں اور آدمی افسانہ ہو جائے

ادارۂ اشرفیہ عزیزیہ کی تربیتی سرگرمیاں

اِدارۂ اشرفیہ عزیزیہ، جو بندہ کے شیخ حضرت مولانا محمد اشرف صاحب سلیمانی پشاوریؒ اور حضرت مولانا محمد اشرف صاحبؒ کے شیخ شاہ عبدالعزیز دعا جو دہلویؒ کی یاد میں قائم ہوا ہے، سالانہ مندرجہ ذیل اصلاحی سرگرمیوں میں مصروف رہتا ہے۔

۱۔ درسِ قرآن: ہفتہ میں چھ دن بعد نماز عشاء، مدینہ مسجد، پشاور یونیورسٹی۔

۲۔ مجلسِ ملفوظات: ہفتہ میں سات دن بوقتِ اشراق، مسجدِ فردوس، پشاور یونیورسٹی۔

۳۔ مجلسِ ذکر: بروزِ اتوار مغرب تا عشاء، مدینہ مسجد، پشاور یونیورسٹی۔

۴۔ مجلسِ ذکر: بروزِ پیر مغرب تا عشاء، مسجدِ نُور، فیز تھری، حیات آباد، پشاور۔

۵۔ مجلسِ ذکر: بروزِ منگل مغرب تا عشاء، مسجدِ فردوس، پشاور یونیورسٹی۔

۶۔ عورتوں کی مجلس: بروزِ ہفتہ عصر تا مغرب، حضرت مولانا اشرف صاحبؒ کے گھر، دھوبی گھاٹ، پشاور یونیورسٹی۔

۷۔ جمعہ کا خطبہ: مدینہ مسجد، پشاور یونیورسٹی۔

۸۔ ماہوار اجتماع: اس کے لئے تاریخ مقرر کی جاتی ہے۔ اجتماع بروزِ ہفتہ مغرب سے شروع ہو کر بوقت چاشت اتوار کو ختم ہوتا ہے۔ مہمانوں کے قیام و طعام کا بندوبست ادارہ کی طرف سے ہوتا ہے۔

۹۔رمضان: پہلے بیس دن ہر روز مغرب سے پہلے مدینہ مسجد، پشاور یونیورسٹی میں مجلسِ ذکر ہوتی ہے۔مہمانوں کا افطار ادارہ کی طرف سے ہوتا ہے۔آخری عشرہ میں تربیتی اعتکاف ہوتا ہے جس میں کثیر تعداد شرکت فرماتی ہے۔

۱۰۔موسمِ گرما کا اجتماع: موسمِ گرما میں شمالی علاقہ جات میں کسی ٹھنڈے مقام پر سالانہ

اجتماع منعقد کیا جاتا ہے۔

(ڈاکٹر فدا محمد مد ظلہٗ)

☆☆☆☆☆☆☆

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم٥

یَا مُصَوِّرُ یَا مُصَوِّرُ یَا مُصَوِّرُ وَ لَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ مِنۡ سُلٰلَۃٍ مِّنۡ طِیۡنٍ ٥ ثُمَّ جَعَلۡنٰہُ نُطۡفَۃً فِیۡ قَرَارٍ مَّکِیۡنٍ ٥ ثُمَّ خَلَقۡنَا النُّطۡفَۃَ عَلَقَۃً فَخَلَقۡنَا الۡعَلَقَۃَ مُضۡغَۃً فَخَلَقۡنَا الۡمُضۡغَۃَ عِظٰمًا فَکَسَوۡنَا الۡعِظٰمَ لَحۡمًا ق ثُمَّ اَنۡشَاۡنٰہُ خَلۡقًا اٰخَرَ فَتَبٰرَکَ اللّٰہُ اَحۡسَنُ الۡخٰلِقِیۡنَ ٥ رَبِّ ہَبۡ لِیۡ مِنَ الصّٰلِحِیۡنَ ٥ رَبِّ لَا تَذَرۡنِیۡ فَرۡدًا وَّ اَنۡتَ خَیۡرُ الۡوٰرِثِیۡنَ ٥ رَبِّ ہَبۡ لِیۡ مِنۡ لَّدُنۡکَ ذُرِّیَّۃً طَیِّبَۃً ط اِنَّکَ سَمِیۡعُ الدُّعَآءِ ط یَہَبُ لِمَنۡ یَّشَآءُ اِنَاثًا وَّ یَہَبُ لِمَنۡ یَّشَآءُ الذُّکُوۡرَا ط اِلٰہِی بَحُرۡمَتِ رَسُوۡلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّم وَ اَہۡلِ بَیۡتِ الۡعِظَّام.

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم٥

یَا مُصَوِّرُ یَا مُصَوِّرُ یَا مُصَوِّرُ وَ لَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ مِنۡ سُلٰلَۃٍ مِّنۡ طِیۡنٍ ٥ ثُمَّ جَعَلۡنٰہُ نُطۡفَۃً فِیۡ قَرَارٍ مَّکِیۡنٍ ٥ ثُمَّ خَلَقۡنَا النُّطۡفَۃَ عَلَقَۃً فَخَلَقۡنَا الۡعَلَقَۃَ مُضۡغَۃً فَخَلَقۡنَا الۡمُضۡغَۃَ عِظٰمًا فَکَسَوۡنَا الۡعِظٰمَ لَحۡمًا ق ثُمَّ اَنۡشَاۡنٰہُ خَلۡقًا اٰخَرَ فَتَبٰرَکَ اللّٰہُ اَحۡسَنُ الۡخٰلِقِیۡنَ ٥ رَبِّ ہَبۡ لِیۡ مِنَ الصّٰلِحِیۡنَ ٥ رَبِّ لَا تَذَرۡنِیۡ فَرۡدًا وَّ اَنۡتَ خَیۡرُ الۡوٰرِثِیۡنَ ٥ رَبِّ ہَبۡ لِیۡ مِنۡ لَّدُنۡکَ ذُرِّیَّۃً طَیِّبَۃً ط اِنَّکَ سَمِیۡعُ الدُّعَآءِ ط یَہَبُ

لِمَنْ يَّشَآءُ اِنَاثًا وَّيَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ الذُّكُوْرًا ط اِلٰهِى بِحُرْمَتِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم وَ اَهْلِ بَيْتِ الْعِظَام.

ادارۂ اشرفیہ عزیزیہ کی تربیتی ترتیب

حضرت مولانا محمد اشرف سلیمانی پشاوری رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات کی روشنی میں تربیتی ترتیب کو تین درجوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

درجہ اوّل: تعلیم الاسلام (مفتی کفایت اللہ صاحبؒ) کا چار پانچ مرتبہ مطالعہ تا کہ مسائل ذہن نشین ہو جائیں، جہاں سمجھ نہ آئے خود فیصلہ کرنے کی بجائے علماء سے پوچھنا، استعداد اچھی ہو تو اپنے گھر یا مسجد میں چند ساتھیوں کے ساتھ مل کر اس کو سبقاً سبقاً پڑھنا۔

اُم الامراض، اکابر کا سلوک واحسان، فیضِ شیخ (حضرت مولانا زکریاؒ)

تسہیلِ قصد السبیل، تسہیل المواعظ، اصلاحی نصاب (دس رسالوں کا مجموعہ از حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ)

درجہ دوم: بہشتی زیور، ملفوظاتِ حکیم الامت (مولانا اشرف علی تھانویؒ)، اُسوۂ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (حضرت ڈاکٹر عبدالحئی صاحبؒ)، آپ بیتی (حضرت مولانا زکریاؒ)، تذکرۃ الاولیاء (شیخ فریدالدین عطارؒ) اور کیمیائے سعادت (امام غزالیؒ)

درجہ سوم: سلوکِ سلیمانی (حضرت مولانا محمد اشرف سلیمانیؒ) تربیت السالک، التکشف، بوادر نوادر، انفاس عیسیٰ، بصائر حکیم الامت (حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ)، احیاء العلوم (امام غزالیؒ)

جہری ذِکر کی احتیاط اور طریقہ

سارے تصوف کے سلاسل کی طرح ہمارے سلسلہ میں بھی ذِکر کو قلب کی اصلاح میں بطور بنیادی ذریعہ

شامل کیا گیا ہے۔سلسلہ کی ترتیب میں چشتیہ صابریہ جہری طریقہ ذِکر، ضرب کے ساتھ اختیار کیا گیا ہے۔ پہلے درجہ میں صرف سوبار لاالٰہ الا اللّٰہ، سوبار الااللّٰہ اورسوبار اللّٰہ کاذِکرکیا جاتا ہے۔دوسرے اورتیسرے درجہ میں لا الٰہ الااللّٰہ دوسوبار، الااللّٰہ چارسوبار اللّٰہُ اللّٰہ چھ سوبار، اللّٰہ سوبار کی اجازت دی جاتی ہے۔

کتابوں کا مطالعہ تو ہر کوئی کرسکتا ہے جبکہ جہری ذِکر کی ترتیب کے لیے بیعت، مشورہ اوراس کے طریقہ کو بالمشافہ (آمنے سامنے) سیکھنا ضروری ہے، خود سے کرنے میں ذہنی وجسمانی نقصان کا خطرہ ہوسکتا ہے۔

ایک ناقابلِ انکار حقیقت

انسان خدا تعالیٰ کا انکار کرسکتا ہے، رسول کا انکار کرسکتا ہے آخرت کا انکار کرسکتا ہے لیکن ایک ایسی حقیقت جس کا انکار نہیں کرسکتا وہ موت ہے۔

ؔ جان جانی ہے جا کر رہے گی موت آنی ہے آ کر رہے گی

کُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ط وَ اِ نَّمَاتُوَفَّوْنَ اُجُوْرَ کُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ط فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْفَازَ

ترجمہ: ہر جی کو چکھنی ہے موت اور تم کو قیامت کے دن پورے بدلے ملیں گے۔ پھر جو کوئی دور کیا گیا دوزخ سے اور داخل کیا گیا جنت میں اُس کا کام تو بن گیا۔

ؔ پھول بننے کی خوشی میں مسکرائی تھی کلی کیا خبر تھی یہ تغیر موت کا پیغام ہے

اَلْمَوْتُ قَدْحٌ کُلُّ نَفْسٌ شَارِبُوْھَا وَالْقَبْرُبَابٌ کُلُّ نَفْس ٌدَاخِلُوْھَا

ترجمہ: موت ایک پیالہ ہے جسے ہر نفس نے پینا ہے اور قبر ایک دروازہ ہے جس سے ہر نفس نے داخل ہونا ہے۔

حضرت مولانا محمد اشرف صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ اُن کے شیخ حضرت شاہ عبدالعزیز دعاجو دہلوی رحمۃ اللہ علیہ تہجد سے پہلے یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔

شب تاریک، رہ باریک، منزل دور، من تنہا دستم گیر یا اللہ!، دستم گیر یا اللہ!

رات اندھیری، راہ ہے ٹیڑھی، منزل دور اور ہم تنہا پکڑیو ہاتھ یا اللہ!، پکڑیو ہاتھ یا اللہ!

بہر حال جن کی آخرت آباد ہے اُن کے لئے تو بشارت ہے:

اَلْمَوْتُ جِسْرٌ يُّوْصِلُ الْحَبِيْبَ اِلَى الْحَبِيْبِ

ترجمہ: موت ایک پُل ہے جو دوست کو دوست سے ملا دیتا ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ یہ شعر پڑھا کرتے تھے:

؎ بلا سے نزع میں تکلیف کیا ہے سکونِ خاطر بھی کم نہیں ہے
کسی سے ملنے کی ہیں اُمیدیں کسی سے چھٹنے کا غم نہیں ہے

یہ عالم عیش و عشرت کا یہ حالت کیف و مستی کی بلند اپنا تخیل کر یہ سب باتیں ہیں پستی کی
جہاں دراصل ویرانہ ہے گو صورت ہے بستی کی بس اتنی سی حقیقت ہے 'فریبِ خوابِ ہستی' کی
کہ آنکھیں بند ہوں اور آدمی افسانہ ہو جائے

ادارۂ اشرفیہ عزیزیہ کی تربیتی سرگرمیاں

اِدارۂ اشرفیہ عزیزیہ، جو بندہ کے شیخ حضرت مولانا محمد اشرف صاحب سلیمانی پشاوریؒ اور حضرت مولانا محمد اشرف صاحبؒ کے شیخ شاہ عبدالعزیز دعا جو دہلویؒ کی یاد میں قائم ہوا ہے، سالانہ مندرجہ ذیل اصلاحی سرگرمیوں میں مصروف رہتا ہے۔

۱۔ درسِ قرآن: ہفتہ میں چھ دن بعد نمازِ عشاء، مدینہ مسجد، پشاور یونیورسٹی۔

۲۔ مجلسِ ملفوظات: ہفتہ میں سات دن بوقتِ اشراق، مسجدِ فردوس، پشاور یونیورسٹی۔

۳۔ مجلسِ ذکر: بروزِ اتوار مغرب تا عشاء، مدینہ مسجد، پشاور یونیورسٹی۔

۴۔ مجلسِ ذکر: بروزِ پیر مغرب تا عشاء، مسجدِ نُور، فیز تھری، حیات آباد، پشاور۔

۵۔ مجلسِ ذکر: بروزِ منگل مغرب تا عشاء، مسجدِ فردوس، پشاور یونیورسٹی۔

۶۔ عورتوں کی مجلس: بروزِ ہفتہ عصر تا مغرب، حضرت مولانا اشرف صاحبؒ کے گھر، دھوبی گھاٹ، پشاور یونیورسٹی۔

۷۔ جمعہ کا خطبہ: مدینہ مسجد، پشاور یونیورسٹی۔

۸۔ ماہوار اجتماع: اس کے لئے تاریخ مقرر کی جاتی ہے۔ اجتماع بروزِ ہفتہ مغرب سے

شروع ہوکر بوقت چاشت اتوار کو ختم ہوتا ہے۔ مہمانوں کے قیام وطعام کا بندوبست ادارہ کی طرف سے ہوتا ہے۔

۹۔ رمضان: پہلے بیس دن ہر روز مغرب سے پہلے مدینہ مسجد، پشاور یونیورسٹی میں مجلسِ ذکر ہوتی ہے۔ مہمانوں کا افطار ادارہ کی طرف سے ہوتا ہے۔ آخری عشرہ میں تربیتی اعتکاف ہوتا ہے جس میں کثیر تعداد شرکت فرماتی ہے۔

۱۰۔ موسمِ گرما کا اجتماع: موسمِ گرما میں شمالی علاقہ جات میں کسی ٹھنڈے مقام پر سالانہ اجتماع منعقد کیا جاتا ہے۔

(ڈاکٹر فدا محمد مد ظلہٗ)

☆☆☆☆☆☆☆